
ساگر کنارے
ام طیفور
قسط نمبر 1
کرن ڈائجسٹ نومبر 2018
Image Edited By Tooba Raffai

ام طیفور

ساگر کنارے

دن کا آغاز معمول کی آوازوں سے ہو چکا تھا۔ ماحور نے جھٹکے سے باورچی خانے کی کھڑکی کھولی تو لوہے کی گرل کے بیچ بیٹھی چڑیاں ایک ساتھ پھڑپھڑاتی اڑ گئیں۔

''کمبختیں! یوں آ کر بیٹھ جاتی ہیں جیسے دعوت دے رکھی ہو، یہاں دال بگھارنی عذاب بنی ہوئی ہے۔''

دن چڑھتے ہی ماحور کی جلی کٹی شروع ہو چکی تھی۔ اس نے فٹافٹ نل کھول کر سنک میں پڑے رات کے جھوٹے مگ کھنگالے، فرج سے دودھ نکال کر اس کی ملائی نتھار کر اسٹیل کے کٹورے میں ڈالی، پہلے سے پڑے دودھ کا دو گلاس مزید پانی ڈال کر بیڑا غرق کیا اور ابلنے کے لیے چولہے پر رکھا، ایک گہری سانس بھرنے کے بعد پلٹ کر سامنے چھوٹے سے لاؤنج میں لگے وال کلاک پر نظر ڈالی۔ ٹک ٹک ٹک۔ سوئیاں مخصوص رفتار سے سفر کرتی سات کے ہندسے کو چھونے والی تھیں۔ ماحور نے اسٹیل کا چمچ داہنے ہاتھ میں لیا اور بائیں میں اسٹیل کا تھال تھاما، آنکھیں سکوڑ کر گھڑی کو گھورتی، مسلسل ہونٹوں کے مختلف زاویے بناتی دیکھنے والے کو یقیناً پاگل ہی لگتی۔

اور یہ آئی سوئی سات پر اور یہ مچا گھر میں دھمال۔

''اٹھ جاؤ، اٹھ جاؤ بے شرمو! اٹھ جاؤ، سات بج گئے۔ اسکول، کالج تمہارے باپ کا نہیں جو تم لوگوں کے لیے گیٹ کھلا رہے گا۔ اٹھ جاؤ ورنہ چمچے کے بجائے اس تھال کو تم لوگوں کے سر پر بجاؤں گی۔ اٹھو۔''

تھال پر مسلسل چمچہ مارتی، بے تحاشا شور پیدا کرتی وہ ساتھ ساتھ حلق بھی پھاڑ رہی تھی۔ اس سے چھوٹے بہن بھائی جاگ چکے تھے، اکلوتے واش روم کے باہر لائن لگنی شروع ہو گئی تھی۔

''سیف، ریان، جنت...... اور یہ زوہان۔ ہاں یہ زوہان کا بچہ کدھر ہے، ابھی تک نہیں اٹھا۔ پڑے گا اب۔''



مکمل ناول

کنارے

ام طیفور

قسط نمبر 1

کرن ڈائجسٹ نومبر 2018

والے پرانک کئی بھی جولائن میں موجود نہیں تھا۔
"اپیا۔ زوہان اپنے بچے سمیت واش روم میں گھسا ہوا ہے تب ہی ہم سب یہاں کھڑے ہیں نا، حد ہوگئی۔ بس صبح صبح ٹرک کا ہارن بن جاتی ہو، بجے جاتی ہو، بجے جاتی ہو، بجے۔" جماہی روکتا مندی آنکھوں والا سیف ابھی گردان جاری رکھتا لیکن اس کی کمر پر کس کر تھال بجا تھا۔ بند آنکھیں چوپٹ کھل گئیں، وہ کمر سہلاتا ماحور کو غصے سے دیکھ رہا تھا اور اس کے پیچھے کھڑا ریان دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو کھجاتے ہوئے گلا پھاڑ کر ہنسا تھا۔ جنت کے بھی دانت نکل آئے تھے جو کبھی کبھی نکلتے تھے۔

"کیوں بے۔ مجھ پر ہنسا تو۔ تیری بتیسی توڑ کر ہاتھ میں دے دوں گا، سمجھا۔ جب دیکھو گدھے کی طرح ہنہناتا رہتا ہے۔ ذرا کالج پہنچ، تیری ساری ہنسی حلق کی حوالات میں قید ہوجائے گی۔ سر زمان آج اکنامکس کی ایکسٹرا کلاسز لیں گے بیٹا تیری۔" سیف کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی ریان کے دانت اندر ہوئے تھے۔ سر زمان اس کی دکھتی رگ تھے اور سیف کا من پسند کام اسے دباتے رہنا تھا۔

"اپیا! آج میرا ناشتا نہ بنانا، ویسے بھی سر زمان سب کھایا پیا اگلوا لیتے ہیں۔" ریان کراہنے والے انداز میں بولا۔ ہاتھ بھی پیٹ پر ٹکا لیا تھا۔

"تم لوگ اپنی بکواس بند کرو اور چار منٹ میں تیار ہو کر ناشتے کے لیے آؤ۔ ورنہ واقعی بغیر ناشتے کے دفان ہونا پڑے گا اور مہینے کا آخر چل رہا ہے، میں جانتی ہوں کہ تم لوگوں کی جیبیں بھی خالی ہیں۔" وہ سینے پہ بازو باندھتے ہوئے مزا لینے والے انداز میں بولی۔

"جی بہتر۔" سیف نے سلیوٹ کیا اور سر جھٹک کر بولا۔ "آج آپ واقعی ہمیں بغیر ناشتے کے دفان ہونے دیں، کیونکہ آدھے کلو دودھ میں ڈیڑھ کلو پانی ملا کے جو کچی لسی آپ اس وقت ہمیں پلا کے بھیجتی ہیں نا، اس کی وجہ سے سارا دن مجھے کچے ڈکار

"دو جوتے پڑیں نا تمہاری کمر پر، تو سارا د کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔ زیادہ نخرے کیا کرو، شکر کرو جو یہ بھی مل جاتا ہے ورنہ مہینے آخر میں جو حالت ہو جاتی ہے، میرا تو دل کرتا ڈراپر سے تم لوگوں کے منہ میں دودھ کے قطرے دیا کروں۔ ہونہہ! لیکچر دیتا ہے۔" سیف کی طبیـ اچھی طرح سے صاف کرنے کے بعد ایک زو ہانک واش روم میں گھسے زوہان کو لگائی۔

"زونی! جلدی باہر آ، اندر کون سی بلڈنگ تعمیر کر رہا ہے جو نکلنے کا نام نہیں لے رہا، جلدی کر دو اینٹیں اپنے بھائیوں کو بھی لگانے دے، نہیں تو تجھے رکھ کے دو تھپڑ لازمی لگا دوں گی۔" زوہا دھمکانے کی دیر تھی۔ وہ کھٹ کی آواز سے کنڈی کھ باہر تھا۔ سیف فوراً واش روم میں گھسا تھا۔ ماحور سب کو جلدی کا کہہ کر کچن کی طرف مڑی، کچن پہلے چھوٹا سا لاؤنج تھا جس کے بیچوں بیچ عقیل م بازو اور ٹانگیں پھیلا کے بے سدھ پڑے تھے۔ ما نے سرسری نگاہ ان پر ڈالی اور ان کے اوپر پھلانگتی کچن میں پہنچ کر فٹافٹ توے کو چولہے پر چ کر سلائس گرم کرنے لگی۔ یہ روکھے سلائس ان س بہن بھائیوں نے ابلی ہوئی "کچی لسی" میں ڈبو کر کھانے تھے، لاؤنج کے ایک سرے پر چھوٹی چوکور ٹیبل اور چار پانچ کرسیاں رکھی تھیں، وہیں بیٹھ ناشتا کھانا ہوا کرتا۔ ماحور کے ٹیبل لگانے تک س تیار ہو کر کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ سب کے آ دودھ، سلائس رکھنے کے بعد خود وہ فٹافٹ جنت پیچھے کھڑے ہو کر اس کی چوٹی بنانے لگی۔

"اپیا! رات بابا کتنے بجے گھر آئے تھے؟" سلائس کا بڑا سا نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے ریان پوچھا تھا، نظریں قریب ہی چت پڑے عقیل مغل تھیں۔

"مجھے نہیں معلوم، میں دھیان نہیں رکھتی ہاں، جس دن نہیں آئیں گے اس دن دھیان بھ

باندھتے ہوئے لاپروائی سے جواب دیا۔ وہ سارے بہن بھائی چور نظروں سے بڑی بہن کو دیکھے گئے، چند لمحوں کے لیے مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ صرف سارے میں بے سدھ عقیل مغل کے خراٹے بدنما آواز پیدا کر رہے تھے۔ ماحور نے انتہائی سنجیدگی سے سیف اور ریان کے چہروں پر ایک نظر ڈالی اور آنکھوں کو بے پروائی سے مسلتے ہوئے اپنے لیے الگ سے بنائی چائے کا بڑا سا گھونٹ بھرا اور بولی۔

''سیف! آج تم فاکہہ آنٹی سے بات کرنا، اگر وہ ٹیوشن کی فیس جلدی ادا کر دیں تو مہربانی ہوگی۔ بجلی کا بل دو ماہ سے نہیں گیا، اس بار بھی ادائیگی نہ ہوئی تو چھٹی سمجھو بجلی کی۔''

''کہہ کر دیکھوں گا، لیکن امید کم ہی رکھیے گا کیونکہ ان کے جتنا باتوں کا جمع جتھا میں نے کسی کے پاس نہیں دیکھا۔ ویسے کمال کی ہمدرد بنتی ہیں میری لیکن جب بھی فیس بڑھانے کی بات کروں یا ایڈوانس مانگوں تو ان کے ماتھے پر ڈیڑھ کلو کی شکنیں ابھر آتی ہیں۔''

ماحور کے چہرے پر تفکر سا چھا گیا، ایک لمحے کو وہ چپ سی ہوئی پھر اگلے ہی پل اس نے خود کو نارمل کرتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

''چلو کوئی بات نہیں، تم ان سے کچھ مت کہنا۔ میں کرتی ہوں کچھ، اب بس جلدی کرو اور نکلو، دیر ہو گئی تو جنت اور زوہان کو فائن ہو جائے گا۔'' وہ سب کو جلدی جلدی اٹھاتے ہوئے بولی۔ ''مجھے آج واپسی پر کچھ دیر ہو سکتی ہے، سیف تم گھر کی چابی ساتھ لے جانا، کیونکہ سب سے پہلے تم دونوں ہی گھر پہنچو گے کالج سے، تو یہ نہ ہو کہ باہر ہی کھڑے رہ جاؤ، بابا سے تو ہرگز امید مت رکھنا کہ وہ دروازہ کھول دیں گے۔ چلو نکلو اب جلدی۔'' وہ عجلت میں بات مکمل کرتی فٹافٹ جنت اور زوہان کے بیگز اٹھا کر داخلی دروازے تک لے گئی، ان کو اسکول بیگز پہنا کر ماتھے پر پیار کیا، سیف اور ریان بھی اپنی کتابیں لیے

چھوڑتے ہوئے وہ کالج جاتے تھے۔ واپسی بھی اسی ڈھنگ سے کرتے۔

ماحور ایز اے کاؤنٹر گرل جاب کرتی تھی چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں۔ جاب اتنی اچھی نہیں تھی لیکن تنخواہ اتنی اچھی ضرور تھی کہ رو دھو کر گزارہ ہو رہا تھا۔ آج کل کہیں اور نوکری ڈھونڈنے کے چکروں میں تھی، اچھی بھلی اکنامکس کی ڈگری تھی مگر جابز کا کال تھا۔ آج ایک جگہ انٹرویو کے لیے جانا تھا، واپسی پر یقیناً دیر ہو جاتی، اس لیے چابی سیف کو دے دی تھی، وہ بے چارہ واپس آ کر کھانا بھی بناتا اور ہلکی پھلکی صفائی بھی نبٹاتا۔

دروازہ بند کر کے ماحور واپس پلٹی تو ذہن مسلسل ان کاموں میں الجھا تھا جو اسے ابھی کے ابھی بھگتانے تھے۔ میز سے برتن اٹھاتے اس کی نظر عقیل مغل پر پڑی تو ناگواری کی تیز لہر اس کا رواں رواں سرسراتی ہوئی گزر گئی۔ اونچے خراٹے، چت لیٹنے کا عامیانہ انداز اور ہونٹوں کے کناروں سے بہتی رال۔ سر سے لے کر پاؤں تک وہ نشئی ہی لگتے تھے، برتن وہیں پٹخ کر وہ بے حد جارحانہ انداز میں عقیل مغل کی طرف بڑھی تھی، اس سے پہلے کہ وہ باپ کو جھنجوڑ ڈالتی، کسی ان دیکھی طاقت نے اس کے دماغ میں ادب ملحوظ خاطر رکھنے کی سرگوشی سی کی تھی، وہ ایک بے بس سی ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

"بابا...... بابا...... اٹھیں یہاں سے...... اندر چل کر لیٹیں...... اٹھیں......"

کندھے پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر آواز دے کر اٹھانے کی کوشش کی، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ بڑی مشکل سے دبایا غصہ پوری شدت سے عود کر آیا، وہ کان کے قریب منہ رکھ کر زور سے چلائی۔

"بابا...... اندر بستر پر تکیے کے نیچے پڑیا پڑی ہے۔ جا کر اٹھا لیں ورنہ کوڑے میں ڈال دوں گی اور اگلی کے لیے میرے پاس ایک ٹکا نہیں ہے،"

عقیل مغل کے وجود کو جیسے بجلی کا جھٹکا لگ ایک آنکھ کھول کر پہلے ماحور کا چہرہ دیکھا کہ کہی مذاق تو نہیں کر رہی، پھر دونوں آنکھیں کھول کر پھرتی سے اٹھے اور جسم کھجاتے اندر کمرے بھاگے۔ ماحور نفرت سے بھرپور نظریں ان پر گاڑ چند پل تو کھڑی رہی پھر ایک زوردار ٹھڈا قر پڑی کرسی کو دے مارا اور پاؤں پکڑ کر بیٹھ گئی......

ٹپ ٹپ...... آنسو بڑی اپنائیت سے اس کے چہ پر پھسلتے چلے گئے...... کبھی کبھار ہمیں رونا کسی با ہوتا ہے اور رو ہم کسی اور بات پر پڑتے ہیں، کوئی متعلقہ بات ہمیں متعلقہ پر رونے کا جواز فرا دیتی ہے اور بھرم بھی رہ جاتا ہے۔

چند پل وہ یوں ہی پلکیں بھگوتی رہی اور ا کرتی رہی عقیل مغل کی چیخ و پکار کا، جو وہ ابھی شر کرنے والے تھے جب انہیں تکیے کے نیچے کچھ ملتا۔ وہی ہوا، مغلظات کا بند ٹوٹ گیا اور وہ کسی زوردار ریلے کی طرح عقیل مغل کے منہ سے بہتی ماحو سماعتوں میں سوراخ کرتی چلی گئیں۔ وہ بھی تھے، ان کو پڑیا بھی نہ ملی اور نشہ بھی ٹوٹا ورنہ ماحور ا نہ اٹھاتی تو کم از کم اگلے دس گھنٹے مزید ان کے " قاف" کی سیر کرتے گزرتے۔ وہ زندگی کو دھوی طرح ہلکا پھلکا اڑاتے اور رگ رگ میں نشے کی دوڑاتے لیکن ستیاناس ہو ماحور کا جس نے ان ساری دیہاڑی کا کباڑہ کر دیا تھا۔

ماحور کان لپیٹے کاموں میں مصروف ہو چکی کیونکہ بابا نے تب تک چپ نہیں ہونا تھا جب تک گھر سے نکل نہ جاتی۔ شاید اس کے بعد بھی نہ ہو ہوں پر وہ کون سا سنتی تھی۔ اس کی زندگی میں چھو بڑے کتنے ہی مسائل ڈائن کی طرح بال کھو لپلپاتی زبان نکالے زندگی کی خوشیاں چوس ر تھے۔

عقیل مغل کی راگنی برداشت سے باہر ہو گ اس نے بقیہ کاموں کو وہیں پر بریک لگایا۔ سنک

ابھی جھاڑو لگائی تھی۔ سیف اور ریان کے کمرے کے بستر بھی سمیٹنے باقی تھے لیکن اس نے سپاٹ چہرے اور جھلملاتی آنکھوں سے بکھرے بالوں پر الٹا سیدھا برش پھیر کر انہیں اونچی سی پونی کی شکل دی۔ کھونٹی سے جیکٹ کھینچ کر اتاری اور پہن کر اس کی پاکٹ میں گھر کی اسپیئر چابی اور چھالیہ کے تین چھوٹے چھوٹے پیکٹ ڈالے، اسکارف مفلر کی طرح لپیٹا، پاؤں میں گھسے ہوئے پرانے کینوس شوز پہن کر وہ بالکل تیار تھی۔ اپنی فائل میز سے اٹھا کر ایک دفعہ سرسری نظر ڈال کر ڈاکومنٹس پورے ہونے کا یقین کیا اور کمرے کے اندر سے ملتے جھکتے نظر آتے عقیل مغل پر غضب ناک نگاہیں پھینکتی زوردار آواز کے ساتھ بیرونی دروازہ مارتی گھر سے باہر نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

''بس یہ آخری بار اٹھانے آیا ہوں تمہیں نالائق۔ اب دوبارہ نہیں آؤں گا۔ بتاؤ بھلا حد ہوگئی۔ باربار الارم کو ہاتھ مار کر لحاف میں غرق ہوجاتے ہو۔ ذرا ہوش میں آؤ گے تو واویلا کرو گے کہ ''دادا! ہوگیا نا میں لیٹ......'' اب میری بلا سے، بھلے انٹرویو کے لیے پہنچو یا نہیں، میں تمہیں مزید اٹھانے نہیں آنے والا۔''

دادا کوئی پانچویں دفعہ مومن کو نیند سے جگانے آئے تھے۔ وہ ہر بار ''ابھی اٹھتا ہوں'' کہہ کر دوبارہ سے لحاف کی گرمی میں اتر جاتا۔ دادا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ ان میں اتنی بھی ہمت کہاں رہ گئی تھی اب۔ اوپر سے روزانہ اسے جگانے کا مشکل ترین مرحلہ انہیں سر کرنا ہی ہوتا تھا۔ مومن دادا کی دھمکی سنتا، کسل مندی سے لحاف پرے کھسکاتے ہوئے وہ بامشکل اٹھ کر بیٹھا اور مندی آنکھوں کے ساتھ بال سنوارتے ہوئے بولا

" دادا۔ سوچ رہا ہوں کہ نہ ہی جاؤں۔ نوکری ملتی تو ہے نہیں۔ بس جوتی کے سوراخ بڑھوا کر آجاتا ہوں۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ ایک دکان بیچ کر مجھ

لیکن مجھ سے نوکری نہیں ہوتی۔ اپنا کاروبار کر مجھے۔ بس......''

''اب تیرا ٹریلر ختم ہوچکا ہو تو اٹھ جا پو نہ تو کسی گورنر کی اولاد نہ تیرا دادا کوئی وزیر اعلا لیے ایسے خواب اپنے لحاف میں جھاڑ کر اٹھا کر آیا کاروبار کرنے والا۔ شرافت سے تیار ہو کر اب۔ فائل پکڑو، ناشتا کرو اور جوتیاں چٹخانے کھڑے ہو برخوردار! آج خوار ہو گے تو کل کو سکو گے نا اور دکان کا آئندہ نام بھی نہ لینا۔ ان دکانوں نے آج تک بھرم رکھا ہے، ورنہ کب دونوں دادا پوتا مر کھپ گئے ہوتے۔ جلدی آؤ تمہارے سلائس چڑیوں کو ڈال دوں گا۔''

دادا کمر پر ہاتھ باندھے، جھکے کندھوں باہر نکل گئے۔ پیچھے مومن بڑبڑاتا ہوا لحاف غصے پرے اچھالتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہونہہ۔ ڈال دیں سلائس چڑیوں کو، کیا پڑتا ہے۔ سوکھے سلائس حلق سے اتارنا کوئی نہیں۔ نہ جیم نہ بٹر۔ بس ملائی لگاؤ ملائی۔ بسا ندہی کھانے سے پہلے دماغ کی چولیں ہلا ہے۔ بڑا دل گردہ آزمایا تو شہد لگا دیا۔ دادا تو دکانوں کی آمدن کو ٹرسٹ میں دے دیتے ہیں ہی نہیں چلتا جاتی کہاں ہے۔''

وہ مسلسل بڑبڑاتا وارڈروب کھنگالنے لگا انٹرویو تھا اور ایک بھی "انسانوں" والا لباس اس پاس نہیں تھا۔ ایک ایک کر کے سارے کپڑے ڈھیر ہونے لگے اور چہرے پر غصے کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ مایوسی سے سر کو نفی میں ہلا۔ مڑا اور سائیڈ ٹیبل سے سیل فون اٹھا کر کال ملائی

''ہاں شاویز! یار پانچ منٹ کے اندر سوٹ لے کر ادھر پہنچ، جو تو نے محب بھائی کے میں پہنا تھا۔ بک بک نہ کر۔ جلدی پہنچ۔ اگر آ کی تو بھول جا کہ اب کوئی اسائنمنٹ بنا کے د تجھے۔ سمجھا اور ٹائی ساتھ میں میرون والی لانا۔''

گھس گیا تھا نہانے۔ جانتا تھا کہ شاویز پانچ منٹ سے بھی پہلے پہنچ جائے گا اور باہر صحن میں دادا کے ساتھ بیٹھا اس کے سلائس چائے میں ڈبو ڈبو کے کھا چکا ہوگا اور واقعی وہ جس گھڑی سر کو تولیے سے خشک کرتا باہر آیا، شاویز آخری سلائس کو دہرا کیے منہ میں ڈالتا بڑے انہماک سے دادا کی داستان سن رہا تھا جو وہ ہر دفعہ صرف اسی کو سناتے تھے، جس میں دادا کے کمالات آسمان کو چھوتے تھے اور شاویز پر فرض ہوتا کہ وہ ہر دوسرے فقرے پر ''واہ'' ضرور کہے ورنہ دادا ایک ہاتھ گدی پر جماتے اور اس کے منہ سے "آہ" نکل جاتی۔

''لے آئے ہو پینٹ کوٹ؟" مومن نے ہاتھ بڑھا کر ہینگر جھپٹا اور واپس اندر کمرے کی طرف بڑھنے لگا جب شاویز بھرے منہ سے گویا ہوا۔

"ذرا احتیاط سے پہننا۔ ابھی یہ سوٹ میں نے مزید چار پانچ موقعوں پر برتنا ہے۔ پچھلے انٹرویو میں لڑ بیٹھے تھے اور میری نئی نکور شرٹ کے بٹن شہید کروا آئے تھے۔ بس اس دفعہ لڑنے لگو تو پہلے کپڑے اتار کر سائیڈ پر رکھ لینا۔''

''ہمم...... ٹھیک کہہ رہا ہے شاویز! لیکن تم جانگیا پہن کر جانا نہ بھولنا مومن۔''

دادا نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ ایک لمحے کو شاویز بھی سٹپٹا گیا اور ان کے چہرے سے ان کے تاثرات کا اندازہ لگانے لگا کہ آیا طنز تھا، طیش تھا یا ہمدردی۔

''حد کرتے ہیں آپ بھی دادا!'' مومن سچ میں خفت سے لال ہوا تھا، پھر شاویز کو گھورتے ہوئے بولا۔ ''اور تمہاری جان نہ نکلے اپنے اس لنڈے کے سوٹ کے لیے۔ تین جگہ تو چھید محبت بھائی کے ولیمے میں ہی دیکھ لیے تھے میں نے، پھر بھی وہی ''پھٹا پرانا'' سوٹ منگوا لیا تجھ سے۔ مت بھول کہ میرے اسائنمنٹس کی بدولت تیرا ماسٹرز پار لگنا ہے، جن میں کم از کم چھید نہیں ہوتا۔ سمجھا۔ بھوکے جولے...... ایک

کرنے۔ ہونہہ!''

شاویز کا منہ مومن کی اتنی باتیں سنانے پر کھلا رہ گیا تھا جیسے کسی نے گدی پر رکھ کے چپیڑ ہو اور دادا چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اس بکینے بڑے مدبرانہ انداز میں سر دھن رہے تھے۔ شا نگاہ پڑی تو اس کے کھلے منہ سے سلائس کا ملغو واہیات ہمسائے کی طرح جھانک رہا تھا۔ داد کوفت سے اسے ٹوکا۔

''اپنا منہ بند کر بیٹا۔ تیرا ادھ کھایا دیکھ کر کھایا باہر نکل آئے گا۔ چل شاوا۔ اب یہ چائے سڑکیاں لگا اور نکل لے۔ شام کو آ کر اپنی ش چارکس کی ''اترن'' لے جانا اور دادے کو سلا میرا، شہدے کو کبھی باہر نکال کر ہوا بھی لگوا دیا کر لگ جانی ہے اُسے۔''

شاویز فٹافٹ مگ خالی کر کے یوں ا دروازے کی طرف لپکا جیسے دشمنوں کے مور چ گھس آیا ہو۔ ایک بات تو طے تھی کہ وہ کیا.... دادا پوتے کے آگے کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ جوابی اور بذلہ سنجی جیسے ختم تھی ان دونوں پر۔

اندر کمرے میں مومن ٹائی کی ناٹ باند کے بعد، جیل کی خالی ڈبی میں انگلی رگڑ رگڑ کر با نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حسب معمول اس ک بالکل درمیان سے بال چوں چوں کی صورت کھڑ تھے، جنہیں بٹھانے کے لیے وہ تھوک سمیت استعمال کر چکا تھا۔ اب جب جیل بھی ختم د مارے غصے کے اسے نیچے پھینکا اور نچلے ہونٹ کنارہ دانتوں میں دبایا، ایک آنکھ بند کی، پھلائے اور رکھ کے پاؤں سے جیل کی ڈبی کا لیا۔ ڈبی الہڑ مٹیار کی طرح لڑھکتی دادا کے قدموں ڈھیر ہوئی۔ دادا نے باسی اخبار کے نیچے جھانکا، ڈبی اٹھائی، اسے اچھے سے جانچا اور بھرتے ہوئے تپائی پر رکھ دیا۔

''اچھی بھلی ڈبی ہے۔ پانی ڈال کر بتیسی ر

دادا دوبارہ اخبار کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئے تھے اور اندر مومن اپنے بالوں کے ساتھ نبرد آزما تھا۔ یہ تماشے "فردوس محل" میں آئے روز کا معمول تھے۔ جہاں صرف یہ دادا پوتا بستے تھے۔

☆☆☆

وہ سڑک پر تیز تیز قدم اٹھاتی اپنے دھیان میں گم چلتی چلی جا رہی تھی۔ دماغ میں بہت سی سوچیں اور مسائل گتھم گتھا تھے۔ چھوٹی سی عمر میں اس نے جس قسم کے حالات دیکھ لیے تھے اور ان پر قابو پانا سیکھ لیا تھا، اسے لگتا تھا جیسے وہ ان تمام مسائل کی ماں ہے، انہیں سینچ سینچ کر بڑا ہوتا دیکھتی ہے اور پھر ان کے ساتھ اولاد کی سی انسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب کوئی دشواری اس سے دور ہوتی تھی، اسے کتنے دن اپنا آپ خالی لگا کرتا۔ وہ ان سے چھٹکارا بھی چاہتی اور ان کو سینے سے لگائے رکھنے کی بھی عادت سی ہو چلی تھی۔

"ماحور! ماحور! رکو۔ کہاں بھاگی جا رہی ہو۔ رک جاؤ یار!"

رائنہ دور سے آوازیں دیتی اس کی طرف بھاگی چلی آ رہی تھی۔ پڑوس والی خالہ بی کی بہو تھی۔ دیوار سے دیوار ملی تھی اس لیے ماحور سے بہت گہری دوستی تھی، حالانکہ اسے بیاہ کے آئے ابھی آٹھ ماہ سے کچھ کم ہی ہوئے تھے لیکن بلا کی ذہین اور معاملہ فہم لڑکی تھی۔ ماحور کے گھریلو حالات سے کلی واقفیت تھی۔ گاہے بگاہے غیر محسوس طریقے سے کام آتی تھی۔ خالہ بی کو اعتراض ہوتا تھا مگر رائنہ سب کو ہینڈل کرنا جانتی تھی۔ اس کی بولڈنیس اور کانفیڈینس مثبت تھا۔ وہ نہ کسی کی دل آزاری کا سبب بنتی تھی نہ کسی کو اجازت دیتی تھی کہ کوئی اسے گزند پہنچائے۔ میاں کی سرچڑھی ہونے کے باوجود اس نے کبھی اس بات کا فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ جتنی پیاری شکل تھی، اسی قدر دل بھی اجلا تھا۔ ماحور کے گھر کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں تھی۔ وہ کچھ چھپانا بھی چاہتی تب بھی

کچھ دیر پہلے اس نے بالکونی سے ماحور کو عجلت اور غصے میں گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ جھٹ پکڑا، سیاہ چشمہ لگایا اور خالہ بی سے ان کی دوا والی پرچی اور بجلی کا بل لے کر اس کے پیچھے نکل تھی۔ پھولتے سانس اور سرخ ہوتی رنگت کے س وہ ماحور تک پہنچی۔ اپنے گلاسز بالوں میں ٹکائے ماحور کے بازو پر مارا اور تیوریاں ڈالتے ہو بولی۔

"کتنی بے ہودہ ہو۔ بولا بھی تھا کہ صبح وقت بھی نکلو مجھے بتا دینا۔ ساتھ ہی چلیں گے۔ بھی مارکیٹ کے چھوٹے موٹے کام ہیں، واپسی امی کی طرف سے بھی چکر لگا لوں گی۔ مگر نہ ماحور بی بی تو گھوڑے پر سوار رہتی ہیں ہر وقت۔"

وہ تیز تیز بولتی بغور ماحور کے اترے چہرے جائزہ لے رہی تھی۔ دونوں ٹہلتی ہوئی آگے بڑ لگیں۔ ذرا فاصلے سے ماحور کو ٹیکسی پکڑنی تھی۔ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ تکان زدہ آواز بولی۔

"جانتی تو ہو تم۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارے کی آوازیں تم لوگوں تک نہ پہنچیں۔ بابا سے لڑ کر ہوں۔ باہر دنیا سے لڑنے کے لیے۔"

"چھوڑو بھی ماہی۔ کیوں دل جلاتی ہو۔ کوئی بات تو نہیں ہوئی۔ اس طرح گھر کے رونے پلو باندھ کر نکلو گی تو کبھی بھی فوکس نہیں کر پاؤ گی۔"

رائنہ نے حسب عادت ساری ٹینشن کو چ میں مسلا تھا۔ ماحور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی باتو سے وقتی طور پر ہی سہی، بہل جاتی تھی۔ اپنی آنکھ زور سے بھینچ کر کھولتے ہوئے اس نے اعصاب نارمل کرنے کی سعی کی تھی۔ رائنہ کی اپنی ہی کہانیا شروع تھیں۔ اس اثناء میں وہ ایک خالی ٹیکسی قریب پہنچ چکی تھیں۔ رائنہ ٹیکسی والے سے ب کرنے کے لیے چند قدم آگے ہوئی۔ پیچھے ماحور ا طرح غیر حاضر دماغی سے کھڑی سامنے لگے بل بو

توسوچے جا رہی تھی کہ اچانک ایک اچکا کسی کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر اس کا بیگ چھین کر سیدھ میں دوڑا۔ ماحور کے حلق سے بے ساختہ چیخ نکلی تھی۔ رائنہ کے متوجہ ہونے تک وہ کچھ فاصلے پر پہنچ چکا تھا۔ دونوں نے اس کے پیچھے دوڑ لگا دی لیکن مقابلہ کیسے کر سکتی تھیں۔ ماحور کی آنکھوں سے آنسو چھلک گئے۔ اس کا موبائل، والٹ، گھر کی چابیاں اور سب سے قیمتی چیز، اس کے ڈاکومنٹس۔ سب ہی کچھ اس کے بیگ میں تھا۔ اس کے حواس مختل ہو رہے تھے۔ رائنہ اس کا ہاتھ تھامے حتی الوسع تیز دوڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آنسوؤں کی دھند میں اس نے دیکھا کہ وہ اچکا کسی سوٹڈ بوٹڈ ہینڈسم لڑکے سے ٹکرایا تھا اور پھر وہ لڑکا اس چور کے پیچھے انہی قدموں پر پلٹ کے بھاگا تھا۔

اسے شاید اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کسی کا بیگ چھین کر بھاگا ہے کیونکہ اپنے پیچھے وہ مسلسل۔

''پکڑو۔ چور...... چور......'' کی آوازیں سن رہا تھا۔ اس لڑکے نے برابر بھاگتے ہوئے اچکے کو گردن سے دبوچا اور پٹخ کر نیچے گرا دیا۔ وہ خود بھی اس کے اوپر گرا تھا۔ چور نے جب دیکھا کہ اب وہ گھیر لیا گیا ہے تو بیگ اس لڑکے کے سینے پر مارتا، اسے دھکا دیتا اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ ہینڈسم اب اپنے کپڑے جھاڑتا، ماحور کا بیگ تھامے واپس پلٹا تھا۔ اتنے میں وہ دونوں بھی بری طرح ہانپتی اس تک پہنچیں۔

''اُفف...... بہت بہت شکریہ۔ آپ کا بہت احسان ہے ہم پر۔ یقین کیجیے آج کے دن کی یہ آپ کی سب سے بڑی نیکی ہو گی۔''

رائنہ کا اپنا ہی انداز تھا۔ وہ ہینڈسم حیرت سے اسے دیکھے گیا۔ اس کے ساتھ کھڑی لڑکی مسلسل نیر بہا رہی تھی۔ اس نے کوفت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ پکڑیں اپنا بیگ اور اب کے کس کر پکڑیں۔ میرے طرح کا الو کا پٹھا دوبارہ نہیں ملے گا

ہونہہ......

وہ دونوں حیران پریشان سی اس کی صورت دیکھنے لگیں۔

''جتنی اچھی شکل ہے اتنا ہی سڑا ہوا۔'' رائنہ، ماحور کے کان میں بڑبڑائی۔ لیکن اس نے یہ بات سن لی۔ جواب میں وہ لڑاکا عورتوں کی طرح بگڑتے ہوئے بولا۔

''کیوں جی۔ کیا سڑے ہوئے اچھی شکل کے نہیں ہو سکتے؟ یا اچھی شکل والوں کے لیے لازم ہے کہ مزاج بھی اچھا رکھیں۔ ایک تو انٹرویو سے دیر ہو رہی تھی اوپر سے آپ کا یہ بیگ کسی بلا کی طرح میرے پیچھے لگ گیا۔''

''حد ہو گئی۔ بے مروتی کی بھی کوئی آخری حد ہوتی ہے۔ ہم نے کب آپ سے استدعا کی تھی کہ اس چور کے پیچھے بھاگیں۔ نہ بھاگتے۔ کوئی اللہ کا بندہ مل ہی جاتا اس کار خیر کے لیے۔'' برداشت کی تو رائنہ میں بھی کمی تھی اور پھر وہ بھی غلط بات

''اوہ میڈم! آپ کو کس کانے نجومی نے بتایا کہ میں آپ کا بیگ لینے اس چور کے پیچھے بھاگا میرے پاس اتنا فالتو وقت ہوتا تو میں اپنی کروانے پر صرف کرتا۔'' اس نے بے اختیار اپنے سر پر وہاں پھیرا جہاں پر بالوں کی چو ہوئی تھی۔ ''جس وقت وہ خبیث مجھ سے ٹکرایا ٹائی پن میں اس منحوس بیگ کا اسٹریپ پھنسا اور میں بے چارہ اس کے ساتھ گھسٹتا چلا گیا۔ اطلاعاً عرض ہے کہ میں برائے پھڈے میں نہیں ہوں نہ ہی میری روح ایسی کوئی نیک پروین ہونہہ! یہاں زندگی کے جھمیلے ختم نہیں ہوتے چلی ہیں دنیا سے ہمدردی کی امید لے کر۔ فول

وہ استہزائیہ انداز میں کہتا رائنہ کو خاص لگا۔ زہر تو وہ ماحور کو بھی لگ رہا تھا، جس کا غصہ آتا تو اس ہینڈسم کے چھکے چھوٹ جاتے لیکن اس کا بیگ اسی کے ہاتھ میں تھا۔ ایسے جاہل اخلاق انسان کا کیا بھروسا

چلا جاتا۔ رائنہ نے ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتے ہوئے کچکچاتے دانتوں کے ساتھ اس سر پھرے سے عرض کی۔

''مسٹر! اب اگر آپ اپنے بیوی سے ہوئی پٹائی کا غصہ نکال چکے ہوں تو یہ بیگ میری سہیلی کو واپس کردیجیے۔''

''اواو......اول تو میرا نام مسٹر نہیں۔دوم میری کوئی بیوی نہیں۔سوم مجھے کوئی مارنے والا پیدا ہوا نہیں۔چہارم۔''

''یہ بیگ تمہارا نہیں۔'' ماحور نے فوراً اس کی بات کاٹ کر جملہ مکمل کیا اور آنکھیں دکھاتی ہوئی بولی۔''میرا بیگ واپس کرو لفنگے ورنہ ایسا گھما کے دوں گی کہ سر کے سارے بال نوے کے زاویے پر کھڑے ہوجائیں گے۔سمجھے۔''

اور بالوں کا طعنہ تو جیسے سوکھی گھاس کو آگ لگا گیا۔اس لڑکے نے ایک جھٹکے سے بیگ تقریباً ماحور کے منہ پر اچھالا اور لمبے سانس لیتے ہوئے دو بار اپنے پنجوں کے بل اونچا ہوا، ہاتھ پینٹ کی پاکٹس میں پھنسائے اور غرا کر ان دونوں کو باری باری دیکھتا ہوا بولا۔

''مومن۔مومن تراب نام ہے میرا اور مومن اپنے دوستوں کو تو معاف کردیتا ہے، دشمنوں کو کبھی نہیں اور میرا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو میرے بالوں پر ''ہاتھ'' ڈالے۔سنبھالو اپنے خالی ٹین کے ڈبے جیسے بیگ کو جس میں پڑے والٹ میں دس دس کے چار نوٹ بھی وفات پانے والے تھے۔ہونہہ۔بات کرتی ہیں میرے بالوں کی۔'' بھرپور اسٹائل سے اپنے بالوں میں انگلیاں چلاتا وہ ان دونوں کو حیران پریشان کرتا ایڑیوں کے بل گھوما اور بے نیازی سے چلتا ہوا واپس ہولیا۔

سب سے پہلے ماحور کو ہوش آیا۔سڑک پر پڑا چھوٹا سا پتھر اٹھایا اور اس کا نشانہ لیتے ہوئے پوری طاقت صرف کرکے دے مارا۔

''......تو نے میرا بیگ دیکھنے کی۔ چور، اچکے، اٹھ گیرے۔واپس آ......''

پتھر اسے نہیں لگا تھا اور ماحور کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے چلتی گاڑی کے آگے دھکیل دے۔ مارے خفت اور شرمندگی کے اس کی رنگت سرخ چلی تھی۔ رائنہ نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے ہاتھ دھرا اور تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

''بس کرو ماہی! مت غصہ کرو۔وہ جا چکا۔ چھوڑو تم دل برا نہ کرو۔ ویسے بھی تمہیں انٹرویو لیے پہنچنا ہے۔ پہلے ہی دیر ہوچکی ہے۔ چلو جلد کرو۔''

رائنہ اس کی دلی کیفیت سمجھتی تھی۔مومن ترا جاتے ہوئے اس کی عزت نفس پر ضرب لگا گیا تھ بڑی کاری تھی۔ وہ آنسو پیتی رائنہ کے ساتھ اس روکی ہوئی ٹیکسی میں سوار ہوگئی۔

''دن کا آغاز ہی اچھا نہیں،انجام سے امید۔'' اس نے یاسیت سے دل میں سوچتے ہوئے سیٹ سے ٹیک کر آنکھیں موندلیں جب کہ رائنہ تا سے اس کے غلافی پپوٹوں کو دیکھتے سوچ رہی تھی۔

''کتنا اچھا ہوگیا جو میں ماہی کے ساتھ آ ورنہ ٹیکسی کا کرایہ کہاں سے نکالتی اور انٹرویو کے۔ جہاں جانا ہے وہاں تک پیدل جانا ناممکن تھا۔''

وہ ماحور کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ٹیکسی باہر دیکھنے لگی۔

☆☆☆

یہ ایک بڑی فرم کی بے حد اونچی بلڈنگ تھی جس کی بلندی اس قدر متاثر کن تھی کہ اندر جا ہوئے ہتھیلیاں پسیجتی تھیں۔ بلڈنگ کے گہرے شیشے دھوپ کی روشنی میں مزید نکھرے نکھرے رہے تھے۔ رائنہ نے ماحور کو ڈراپ کیا۔ گرم جو سے اسے نیک تمناؤں سے نواز کر وہ ٹیکسی لے اوجھل ہوگئی۔ چند لمحے ماحور نے وہیں کھڑے کھڑے گردن اونچی کیے فرم کی بلڈنگ کا جائزہ لی

آنکھوں میں رشک اور حسرت ایک ساتھ ہلورے لینے لگی۔ اپنے بیگ سے ڈاکومنٹس کی فائل نکال کر ہاتھ میں لیتے ہوئے اسے ایک لمحے کو اپنا اعتماد کھوتا محسوس ہوا۔ اس وقت اسے شدت سے اپنے کپڑوں کی رف لک کا احساس ہو رہا تھا۔ بابا سے لڑنے کے بعد اکثر ایسے ہی وہ سدھ بدھ کھو جاتی تھی۔ آج بھی جیسے حلیے میں تھی، مارے غصے کے نکل آئی اور اب پچھتا رہی تھی۔ زندگی چن چن کے مشکلیں ڈھونڈ کے لاتی تھی اور انہیں ماحور مغل کی راہوں میں بچھاتی۔ یاسیت ہمیشہ سے اس کی سنگی ساتھی رہی تھی۔ ایک تھکن زدہ سانس خارج کرنے کے بعد اس نے اندر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

''ایکسکیوز می! انٹرویو کہاں ہو رہے ہیں؟ دراصل میں اسی لیے آئی ہوں۔ یہ...... یہ میری فائل......''

وہ اردگرد کے ماحول سے مرعوب ہو چکی تھی اسی لیے تھوڑی بوکھلا رہی تھی۔ ریسپشن کاؤنٹر پر کھڑی طرح دار اور ویل ڈریسڈ لڑکی سے پوچھتے ہوئے ماحور ہونقوں کی طرح فائل اسی کو دکھانے لگی۔

''تھرڈ فلور، رائٹ سائڈ، فرسٹ روم۔ تھینکس۔''

نپا تلا سا جواب اس ریسپشنسٹ کی طرف سے آیا جس نے ایک نگاہ غلط بھی ماحور پر ڈالنی گوارا نہیں کی تھی۔ پروفیشنل انداز میں کہتی وہ مستقل لیپ ٹاپ اسکرین کی طرف متوجہ تھی۔ شاید وہ انٹرویو کے لیے آنے والے بہت سے امیدواروں کو یہی جواب دے دے کر عاجز آئی بیٹھی تھی۔

''پہاڑی بکری۔ اکڑ دیکھو ذرا۔ سیدھے منہ بات کرنے کی تمیز نہیں۔ بھلا اور بیٹھی کس لیے ہوئی ہو یہاں۔ ہونہہ۔''

جی ہی جی میں اسے کوستی اور گھورتی ماحور بیگ کندھے پر درست کرتی سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔

ندر دیر ہو چکی ہے اور ان سیڑھیوں پر حالت مزید خراب ہو جائے گی۔'' نچلا ہو والے دانتوں میں دبائے اس نے سیڑھیوں نظروں سے جائزہ لیا اور لفٹ کی طرف بڑھائے۔ ابھی وہ لفٹ کے اندر داخل ہوئی دروازے میں کسی نے اپنا پاؤں پھنسا کر ا ہونے سے روکا اور تیزی سے اندر آیا۔ لف پڑی تو دونوں کی نظر ایک دوسرے پر پڑی۔

''تم......'' دونوں کے منہ سے بیک نکلا۔

''تم اور یہاں؟'' ماحور نے نخوت سے کیا۔

''کیوں جی۔ آپ کے دادا یہاں کے ہیں جو میں اور یہاں نہیں ہو سکتا۔'' جواب مر مرچیں چباتا ہوا بولا۔

''تم تو مجھے کسی کالی بلی کی بھٹکتی روح صبح سے دوسری دفعہ راستہ کاٹ رہے ہو۔ برباد ہوتا نظر آ رہا ہے مجھے تمہاری وجہ سے سے وہ سامنے دیکھتی بولے جا رہی تھی۔ چہرہ پھر تمتمانے لگا۔

''میں کالی بلی کی روح ہوں۔ اچھا واقعی تو لگتا تھا میں انسانی مخلوق ہوں۔ مجھے نیند ہے۔ میں کھاتا پیتا بھی ہوں۔ سو بھی جاتا لوگوں کے بیگز بھی چوروں سے چھڑاتا ہوں بہترین انٹرویو دینے کے بعد جاب بھی ہتھیا کامیاب ہو جاتا ہوں۔ واللہ......''

وہ اتنی معصومیت سے بول رہا تھا کہ سمجھنا دشوار ہوا کہ آیا مذاق کر رہا ہے یا سنجیدہ۔

''تمہیں یہ خوش فہمی کیونکر ہے کہ یہ جاب کو ہی ملے گی؟'' وہ مشکوک نظروں سے اسے ہوئے بولی۔ ''کہیں سفارشیے تو نہیں ہو تم؟''

''ہا ہاہا...... لیٹس سی۔'' وہ اعلا در لاپروائی سے کندھے اچکا کر بولتا اسے زہر ا سے پہلے کہ ماحور اسے کوئی جواب دیتی لفٹ

وہ بدتمیز آدمی اگلے ہی پل باہر نکل کر اس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ وہ بھی مرے مرے قدموں سے باہر آ گئی۔ اس کا دل پریشان سا ہو گیا تھا۔ پتا نہیں کیوں اسے لگنے لگا جیسے سلیکشن ہو چکا ہے۔ یہ سب محض خانہ پُری ہے جو ہونے جا رہی ہے۔ اس نے بجھے دل سے ایک بار پھر اپنی فائل کو چیک کیا اور انٹرویو روم کی جانب بڑھ گئی۔ اندر اتنے امیدوار جمع تھے جتنے لنگر بٹنے پر فقیر ہوتے ہیں۔ سب کو ایک نظر دیکھتی وہ ایک کونے پر پڑی خالی چیئر پر بیٹھ گئی۔ ان تمام امیدواروں نے بھی اسے دیکھ کر کچھ اچھے تاثرات چہرے پر نہیں سجائے تھے، انٹرویو کے لیے ایک اور نمونہ دیکھ کر سب کی شکلیں ایسی ہو گئی تھیں جیسے پچھلی دو دو داڑھیں نکلوا کے آئے ہوں۔ سوائے اس کمینے کے جو اس کے بالکل سامنے والی سیٹ پر اکڑ کر بیٹھا ایک بازو ساتھ والی سیٹ کی بیک پر پھیلائے اسے کسی پان شاپ پر کھڑے لوفر کی طرح دیکھ رہا تھا۔ ماحور کا جی چاہا کہ اپنا جوتا اتارے اور گھما کے ایسا مارے کہ چوٹ تو منہ پر پڑے لیکن سر کے تمام بال خودرو جھاڑیوں کی طرح بکھر جائیں۔

مومن تراب بھی سامنے بیٹھا دماغ کی ٹیپ میں ملتے جلتے خیالات کی کیسٹ چلائے بیٹھا تھا۔

”سوچ مومن بیٹا سوچ۔ یہ مرینہ خان کا لیٹسٹ ورژن شکل سے کافی باصلاحیت لگتا ہے۔ اگر یہ انٹرویو کے لیے اندر چلی گئی تو سمجھ اس کی جاب پکی۔ ورنہ باقی سب کی تو شکلوں پر گاؤدی لکھا ہے۔ ان کی طرف سے فکر نہیں۔ جو ایک آدھ ”ٹر“ میں دکھائی بھی دے رہے ہیں، ان کو میں آرام سے لالی پاپ دے دوں گا۔ مگر اس کا کچھ سوچ بیٹا۔ کوئی سائنس لڑا مومن۔“

”کیسے گھور گھور کے دیکھ رہا ہے خبیث۔ شکل سے ہی چول لگتا ہے۔ لسی کا گلاس مانگنے والوں جیسا منہ ہے اس کا۔ بس ایک دفعہ انٹرویو کے لیے کال کر لیں، پھر تو یہ جاب پکی اپنی۔ میرا سی وی دھاک

مومن کے جوتے کا سول دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھا تھا اور جوتے کے نیچے چیونگم چپکی ہوئی تھی۔

”کاش میں یہ چیونگم اس کے ہونٹوں پر چپکا سکتی۔“

ایک دفعہ پھر تخریبی سوچ اس کے دماغ میں سرسرائی۔

”بتاؤ بھلا۔ اچھی بھلی شکل کی ہو۔ مطلب چلو...... کافی اچھی بھلی ہو۔ تو آرام سے کسی نیک بندے سے شادی کر کے گھر بساؤ۔ یہاں کیوں ہو ہمارا حق مارنے۔ نوکری کرنی ہی ہے تو کسی اسکول میں استانی لگ جاؤ، اور جہیز بناؤ۔ پر نہ جی، انہیں مردانہ جیکٹ کی طرح نوکری بھی مردانہ ہی چاہیے۔“

مومن نے دل میں اسے بہترین مشوروں سے نوازتے ہوئے ایک اچٹتی نگاہ اس کی بلیک لیدر جیکٹ پر ڈالی۔

دونوں کے خفیہ مراسلاتی پیغامات نہ جانے کب تک جاری رہتے کہ اچانک چپڑاسی نے دروازہ کھول کر سر اندر گھسیڑا اور تنبیہی لہجے میں گویا ہوا۔

”سر سالک کی گاڑی پارکنگ میں پہنچ چکی ہے۔ آپ سب لوگ سیدھے ہو کر بیٹھ جائیں۔ وہ کسی بھی وقت اوپر پہنچنے والے ہیں۔“

سب میں کھلبلی سی مچ گئی۔ لڑکیاں اپنے اپنے بیگ سے دستی آئینے نکال کر شکلیں دیکھنے لگیں۔ ایک نے لپ اسٹک کے شیڈز کو ذرا گہرا کیا۔ لڑکوں نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر ان کو سیٹ کیا۔ سر سالک کو اس روم سے گزر کے اپنے آفس میں جانا تھا جہاں وہ تمام امیدواروں کے انٹرویوز لیتے۔

ایسے میں دو نفوس تھے جن کے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ محض دماغ تیزی سے کام کر رہے تھے۔

”کاش کچھ ایسا ہو کہ میری باری جلد آ جائے۔

کہ سب کی باری ہی نہ آسکے اور صاحب بہادر کو کسی ارجنٹ میٹنگ کے لیے کال آجائے۔" ماحور کے اپنے ہی خدشے تھے۔

"جلدی کر۔ جلدی کر مومن! صرف یہ لڑکی ٹپک جائے۔ باقی سب کی وکٹ میں اڑا لوں گا۔"

مومن تراب دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیے، شہادت کی انگلیاں پستول کی نال کی طرح کھڑی کیے، ان پر اپنی پیشانی ٹکائے منہ سے مسلسل "ڈھز۔ ڈھز۔" کی آواز نکال رہا تھا۔ بھیجے کو ڈیوٹی پر لگا رکھا تھا کہ وہ جلدی سے کوئی آئیڈیا سوچے اور پھر ایک دم۔ بالکل ایسے جیسے چپکے سے ویرانے میں بہار آئے یا بڈھے کے منہ پر نکھار آئے یا پھر گنجے کے سر پر بال آئے۔ مومن تراب کے دماغ کی بتی چلی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی۔ وہ سیدھا ہوا۔ کوٹ کی فرنٹ پاکٹ سے انک پین نکالا اور کھڑے ہو کر ارد گرد سب کو سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اینی ون ہیز انک پلیز۔ اینی ون۔ کسی کے پاس انک ہوگی؟"

سب نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے اگنور کیا۔ بھلا یہاں کون سیاہی کی دوات لے کر گھوم رہا ہوتا۔ مومن تراب کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ وہ چلتا ہوا چند قدم آگے ہوا اور پین کا کیپ ہٹا کر اسے زور سے جھٹکا۔ کالی سیاہی کے کئی چھینٹے ماحور کے اوپر گرے۔ وہ بوکھلا کر کھڑی ہوئی۔ نہایت ہی غضب ناک ہو کر اس نے مومن کو دیکھا جو پریشانی سے بھرپور تاثرات لیے اس سے معذرت کر رہا تھا۔ ماحور اسے کچا چبا جاتی تب بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا۔ گھٹیا، کمینہ، خبیث۔ جتنی گالیاں وہ اسے دے سکتی تھی، دل میں دے ڈالیں۔ قریب ہی کسی لڑکی نے اسے فوراً واش روم جانے کا مشورہ دیا کیونکہ اس کے چہرے پر بھی چند چھینٹے بہار دکھا رہے تھے۔ اسے بھی یہی بہتر لگا کہ سر کے آنے سے پہلے ہو

سے تو رہی۔

اسی کمرے کے ایک طرف کارنر میں چھ واش روم تھا۔ اس نے جلدی سے اس کارخ اپنے پیچھے اسے مسلسل مومن تراب کے م کلمات سنائی دیتے رہے، لیکن اس کا غصہ کم نہ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس واہیات آدمی نے جان بوجھ کر کیا ہے۔

چند منٹ لگے اسے فریش ہونے میں۔ وقت وہ باہر نکلی، گیم ایک بار پھر پلٹ چکی تھی۔ مومن تراب کو اس نے ہاتھوں میں ڈ کاغذات کا پلندہ اٹھائے آفس کے اندر جاتے اور اس سے آگے ایک بہترین قد کاٹھ کے سو مرد کی پشت دکھائی دی تھی اسے۔ وہ اچنبھے سے کھڑی رہ گئی۔ وہ کمینہ اندر کیسے چلا گیا، یہ سوا کے دل میں لمحے کے ہزارویں حصے میں ہی پید تھا مگر خاموشی سے مردہ قدموں سے چلتی اپنی آ بیٹھی۔ سب ہی امیدوار آپس میں کھسر پھسر میں معروف تھے۔ اس کے ساتھ بیٹھی دو سج لڑکیاں بھی جلے کٹے انداز میں "مومن ترا رونا رو رہی تھیں۔

"اُف...... کتنا خرانٹ ہے یہ لڑکا چالاکی اور مہارت سے اندر گیا ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا، سر سالک کے پی ا آگے اس نے اپنی ٹانگ کی تھی۔ وہ بے چارہ م بل گرا اور ہاتھ میں تھامے سب کے سب چھوٹ کر بکھر گئے۔ اوپر سے غریب کی اتنے شیشوں والی عینک بھی گری، شیشہ الگ ٹوٹا۔ اندھوں کی طرح واپس نیچے اپنی گاڑی میں اسپیئر گلاسز لینے گیا ہے اور یہ چالاک لڑکا ایفی شینسی دکھاتا سب پیپرز اکٹھے کرتا سر سالک مددگار کے طور پر آفس میں جا گھسا۔ اب دیکھ! کا نمبر ہم سب سے بعد میں تھا اور انٹرویو ہوگا سے پہلے۔"

پاس یقیناً سفارش ہے جبھی تو اتنا اوور کانفیڈنٹ ہے۔ خواہ مخواہ میں اتنی دیر سے بیٹھے ہیں۔ میں نے تو کل اسپیشلی جا کر فیشل لیا۔ مینی کیور اور پیڈی کیور بھی کروا ڈالا۔ ہونہہ، سب بے کار گیا۔" دوسری لڑکی نے بھی دل جلی ہونے کا ثبوت دیا۔ ماحور نے کن انکھیوں سے اس کے پیروں کی طرف دیکھا جہاں ہر ناخن پر الگ الگ رنگ کی نیل پالش لگی زہر لگ رہی تھی۔

"پتا نہیں لڑکیاں اپنی شخصیت کے حساب سے فیشن کیوں نہیں کرتیں۔ جو چیز انہیں ذرا نہ جچتی ہو وہی کرنا پسند کرتی ہیں۔" یہ سراسر ماحور کی ذاتی رائے تھی۔ لیکن چاہتی تھی کہ سب لڑکیوں تک پہنچے۔ اس لڑکی کے پیروں سے دھیان ہٹا تو فوراً اندر گھسے مومن تراب کی طرف چلا گیا۔

"کیا واقعی یہ سفارش کے تحت آیا ہے؟ پھر تو سراسر دھاندلی ہے باقی سب کے ساتھ۔ میں اس بدتمیز انسان سے زیادہ قابل ہوں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ پی اے کے گرنے کا ڈرامہ بھی جان بوجھ کر رچایا گیا ہے تاکہ اسی بہانے مومن تراب اندر جا سکے اور کچھ دیر بعد باہر آ کر اعلان کر دیا جائے کہ سلیکشن ہو چکا، آپ لوگ پلیز جا سکتے ہیں۔ لو بھلا بتاؤ۔ ہم یہاں چنے بیچنے بیٹھے ہیں۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ ہرگز نہیں۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہر شے تہس نہس کر دے۔ کتنا وقت برباد ہوا صبح سے اور یہاں آ کر پتا چل رہا ہے کہ میرٹ پر نہیں سفارش پر نوکری دی جا رہی ہے۔ وہ جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔ ایک طائرانہ نگاہ سب امیدواروں کے اکتائے ہوئے چہروں پر ڈالی اور تن فن کرتی اندر کی جانب بڑھی۔ باہر کھڑے چپڑاسی نے اسے روکنے کی کوشش کی تو اس نے اپنی فائل کے ساتھ اسے پرے دھکیل دیا۔ آفس کا دروازہ کھلنے پر جو پہلی نسوانی آواز اس کے کانوں میں پڑی، وہ بڑے خوش گوار انداز میں مومن تراب کو سراہ رہی تھی۔

"ہمم...... امپریسو۔ آئی ونڈر کہ آپ جیسا

آٹھ ماہ کیوں برباد کر کے آیا ہے۔ مجھے نہیں لگ[illegible] وہاں آپ کی صلاحیتوں کا صحیح استعمال ہوا ہوگا۔"

"انفیکٹ۔ میں نے اسی لیے وہ جاب چھ[illegible] تھی کہ......"

"تاکہ یہاں آ کر کسی مستحق اور ا[illegible] کینڈیڈیٹ کا حق مار سکوں، اپنی سفارش [illegible] بوتے پر۔ رائٹ؟"

ماحور نے مومن تراب کی بات پوری ہونے دی تھی اور اندر داخل ہو کر فوراً اس کی اص[illegible] کھول دی تھی۔ وہ غصے سے بھری ہوئی تھی اور [illegible] اپنی بھڑاس نکالنے آئی تھی۔ بڑے سے گلاس ٹیبل کی مخالف سمت بیٹھے اس کمپنی کے ما[illegible] سالک پاشا نے بھرپور دلچسپی سے اس کی با[illegible] صرف سنی بلکہ ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی رینگ[illegible] مومن تراب کے بالکل ساتھ والی چیئر پر بیٹھی اسٹائلش اور خوب صورت لڑکی لیپ ٹاپ کھو[illegible] بیٹھی تھی، اس نے ناگواری سے اسے دیکھا اور ا[illegible] آفس سے نکالنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھنے [illegible] تھی کہ سالک پاشا نے اسے ہاتھ کے اشارے روک دیا اور نرمی کے ساتھ ماحور سے مخاطب ہوا۔

"دیکھیں مس۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ آپ پلیز بیٹھیے اور اپنی باری کا انتظار کیجیے۔ [illegible] سفارش نہیں، میرٹ چلتا ہے اور رہ گئی بات مومن کی تو یقین کیجیے کہ یہ محض اتفاق ہے [illegible] میرے جاننے والے نکل آئے ہیں۔ ان کے [illegible] بابا اور میرے فادر نیبرز اور اچھے فرینڈز رہ[illegible] ہیں۔"

"اچھا...... جی۔" ماحور نے اچھا کو خوب[illegible] کر اگلا۔ "اچھا بہانہ ہے۔ پھر تو ہو سکتا ہے کہ [illegible] امی اور آپ کی امی بھی دوپٹا بدل سہیلیاں رہ[illegible] ہوں تو کیا میں اپنی جاب پکی سمجھوں۔ ہو[illegible] بولیے؟"

ان سب کی بولتی بند کروا کے وہ کہہ رہی تھ[illegible]

اور مومن کا بس چلتا تو اس لڑکی کو مکھی بنا کے دیوار پر چپکا دیتا۔ کس قدر شاطر تھی، نہ جانے کیسے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس جاب کے لیے سالک پاشا واقعی اسے رکھ لے گا، پرانے حوالے کام آ گئے تھے۔ کچھ ایسے ہی جلے کٹے تاثرات اس لڑکی کے چہرے پر بھی تھے جو مومن تراب کے ساتھ والی چیئر پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"اس معاشرے کا یہی تو المیہ ہے سر کہ یہاں چور بازاری عروج پر ہے۔ کوئی اونچی کرسی پر بیٹھ کر بے ایمانی کرتا ہے تو کوئی اس کرسی تک پہنچنے کے لیے اوروں کی ٹانگیں کھینچتا ہے۔ گدھے کے سر پر تاج پہنانے سے اگر آپ کی کمپنی کو "چار گدھے" لگ جاتے ہیں تو میں دعا کروں گی کہ اللہ آپ کی کمپنی کو ایسے لوگوں سے بھر دے۔ چلتی ہوں۔ ہیو اے گڈ ڈے۔"

اپنی بات کے اختتام پر اس نے طنز سے بھرپور نظریں مومن پر گاڑے رکھیں۔ جسے اس وقت مجبوری شرافت کے جامے میں رکھے ہوئے تھی، وگرنہ دوبدو لڑائی میں تو اس کا ثانی نہیں تھا۔ سالک پاشا نے ریوالونگ چیئر پر ہولے ہولے گھومتے، بند مٹھی ہونٹوں پر جمائے بمشکل ہنسی کا گلا گھونٹا۔ اتنا تو وہ جان ہی گیا تھا کہ اس لڑکی نے "گدھا" کسے کہا ہے۔

اپنی بھڑاس نکال لینے کے بعد ماحور نے دو دفعہ زور زور سے اپنا پاؤں ووڈن فلور پر مارا، گردن اکڑاتے ہوئے مڑی اور آفس سے باہر چلی گئی۔

باہر بیٹھے سب ہی امیدواروں کو اس نے مومن تراب کی سیلیکشن کے بارے میں بتا کر ہلچل مچا دی۔ وہ سب بکنے جھکنے لگے، زیادہ تر نے مایوس ہو کر ماحور کے ساتھ ہی لفٹ کا رخ کیا۔ اب بھلا مزید بیٹھنے کا کیا فائدہ تھا۔

بلڈنگ سے باہر آ کر ماحور نے ایک نظر سر اٹھا کر اس شاندار عمارت کو دیکھا۔ دل میں مایوسی اترتی

کالجز کی پینڈنگ فیسیں۔ سب ہی کچھ ذہن
گردش کرنے لگا۔ جاب مل جاتی تو کم از کم وہ تنخ
آس میں کسی سے قرض تو لے ہی سکتی تھی نا۔ ا
اسے اپنی عزت نفس کی قربانی دیتے ہوئے فا
فوڈ ریسٹورنٹ کے مالک سے ہی منتیں کرنی تھیں
ایک نمبر کا خرانٹ آدمی تھا۔ اس نے بیگ میں
گھسا کر اپنے والٹ کے اندر موجود چالیس رو
دیکھا اور بھرائی آنکھوں سے پیدل ہی ریسٹور
رخ کیا۔ آج کا دن واقعی مشکل ترین ثابت ہوا

☆☆☆

سارے دن کی مشقت۔ کسٹمرز کی مارا مار
ہونے والے واقعات نے اس کے اعصاب ک
کے رکھ دیا تھا۔ وہ اس قدر تھک چکی تھی کہ ا
اتنی ہمت نہیں تھی کہ جا کر یونیفارم تبدیل کر
واپسی کا قصد کرے۔ ابھی تو اس نے ساتھی ور
سے واپسی کے کرائے کے لیے ادھار پیسے
ورنہ اس میں پیدل گھر جانے کی ہمت نہیں تھی۔
کا آف ہو چکا تھا اور اب اسے ریسٹورنٹ کے
سے کچھ قرض بھی طلب کرنا تھا جو کہ خود ایک
مشکل امر تھا۔ ایک تو مختار انصاری کھڑوس ب
، دوسرا ابلا کا نظر باز انسان تھا۔ اس کی مجبوری
جاب وگرنہ اسے اس کی منحوس نظریں گوار
تھیں۔ وہ جلدی سے کپڑے تبدیل کر
انصاری کے آفس کی جانب بڑھی۔ ناک کر
پہلے اس نے باہر کھڑے کھڑے جملے ترتیب
اور اسی بے دھیانی میں لفظوں کی بنت کرتے
ہاتھ دروازے کی ناب پر پڑا اور وہ کھلتا چلا گیا
گرلز اسٹاف کی سپروائزر نوشابہ، مختار انصاری
تقریباً اوپر گری شاید اس کے کوٹ کا بٹن ٹانک
تھی۔ اسے دیکھتے ہی ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی
رنگت کے ساتھ ایک سائیڈ پر کھڑی ہو گ
بوکھلاہٹ میں بار بار اپنے بال ٹھیک کر رہی ت
ماحور کی نظر سے نظر نہیں ملا رہی تھی۔ اس کی

شرمندگی نہ ہو۔ یا یہ اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ نہ جانے وہ کتنی بار اور کن کن کے ساتھ اس حال میں کس کس کو دکھائی دیا ہو۔

ماحور پورے اعتماد سے چلتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ بس اس کے ہاتھ کی پکڑ اپنے بیگ کے اسٹریپ پر لاشعوری طور پر سخت ہوگئی تھی۔

''آیے ماحور بی بی! بولیے۔ کوئی کام ہے کیا؟''

مختار انصاری نے چہرے پر کمینی سی مسکراہٹ سجا کر اس سے پوچھا۔ نظریں ماحور کے سراپے کو گھیرے میں لے چکی تھیں۔ وہ دل میں دو گالیاں دیتی ٹیبل کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ نوشابہ اس دوران خاموشی سے باہر نکل گئی تھی۔

''مجھے کچھ ایڈوانس رقم کی ضرورت ہے۔ تنخواہ میں سے کٹوائی جاؤں گی۔''

''ہمم......'' مختار انصاری نے سوچ میں پڑنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے یوں ہنکارا بھرا جیسے اس نے نوشابہ سے ان کے تعلقات کی نوعیت پوچھ لی ہو۔

''بڑا آیا فلاسفر۔ گینڈے کا میرا بھائی۔ ایسے پوز کر رہا ہے جیسے یہاں درس دے رہا تھا۔'' وہ حسب عادت دل میں حسب پسند بولی۔ مختار انصاری نے انگوٹھے اور انگلی کی مدد سے آنکھوں کو مسلا اور بولا۔

''ایسا ہے ماحور کہ کام تمہیں بھی پتا ہے کچھ مندا جا رہا ہے۔ ایسے میں ادھار، ایڈوانس وغیرہ جیسے سلسلے میرے لیے چلانے بہت مشکل ہیں۔ ہاں۔ ایک صورت ہے کہ میں تمہیں پیسے دیتا ہوں اور تم کچھ اوور ٹائم لگا لو۔ کچھ میرے آفس کی دیکھ بھال کر دیا کرنا۔ میرے کمپیوٹر پر بیٹھ کر ذرا ڈیٹا اپ ڈیٹ کر دیا کرنا۔ اسی میں تمہارے پیسے پورے ہو جائیں گے۔ بولو۔ کیا کہتی ہو؟''

ماحور نے صرف چند سیکنڈز لیے تھے سوچنے
پھر اس کا جواب ہاں میں تھا۔ گھر کی حالت
سامنے تھی۔ کھائے بغیر گزارہ تھا لیکن بجلی بغیر
نہیں تھا۔ بل جمع کروانا ہر حال میں ضروری تھا۔

رات کو ساڑھے آٹھ بجے جس وقت وہ
ٹائم لگا کر گھر پہنچی، اس میں اتنی سکت نہیں
کھانے کی۔ میز پر پڑے جوٹھے برتن اٹھا کر
میں ہی رکھ ڈالے۔ کھانا یقیناً سیف نے بنایا
اس کی غیر موجودگی میں وہ ہر کام کر لیتا تھا
برتن دھونے کا۔ لہٰذا ماحور جتنی بھی تھکی ہوتی،
لازماً سارا کچن سمیٹ کر سوتی تھی۔ مگر آج تو
سارا جسم دہائیاں دے رہا تھا۔ سروننگ کاؤ
کھڑے کھڑے ٹانگیں اکڑ شل ہوئی تھیں تو کمپیو
بیٹھے بیٹھے کمر جواب دے گئی تھی۔

''پتا نہیں اس کی مشقت کے دن کب ختم
گے۔ پتا نہیں کب اس گھر کے حالات ٹھیک
گے۔ ہوں گے بھی یا نہیں۔ اگر آج وہ نوکری ا
جاتی تو بہت سے مسائل حل ہو جاتے۔'' بستر پر
کر بھی اسے اس نوکری کے ہاتھ سے جانے کا
کھائے جا رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی مومن ترا
کمینی ہنسی والا چہرہ بھی تصور میں ابھرا تو بے ا
اس نے دانت کچکچائے اور پھر مومن تراب
چباتے چباتے جانے کب وہ نیند کی آغوش میں
گئی۔ اگلا سویرا اپنے دامن میں ابھی مزید سخ
لیے اس کا منتظر تھا۔

☆☆☆

اسے جاب مل گئی تھی اور یہ کوئی معمولی
نہیں تھی کیونکہ اسے سو فیصد اور دادا کو دو سو فیصد
تھا کہ وہ کوئی کام ڈھنگ کا نہیں کر سکتا، جاب
پھر بڑا کمال ہے۔ اسے دو دن بعد جوائن کرنا تھا
یہ دو دن وہ مکمل عیش کرنا چاہتا تھا۔

اس کا انٹرویو بہترین رہا تھا کیونکہ ایک

ے اندر جا کر دھال بھانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یہ سچ تھا کہ سالک پاشا کے فادر اور اس کے بابا کسی زمانے میں دوست رہ چکے تھے مگر یہ خاصی پرانی بات تھی، ضروری نہیں تھا کہ کسی کو یاد بھی ہوتی۔ مگر مومن کو اس فرم میں انٹرویو دینے جانے سے پہلے ہی پتا تھا کہ اس کے اونر عادل پاشا اس کے بابا کے دوست رہ چکے ہیں۔ اس کا ارادہ تھا کہ ذکر ضرور کرے گا، کام بن گیا تو ٹھیک ورنہ قابلیت کے بل پر نوکری حاصل کر کے رہے گا۔ وہی ہوا، جس وقت وہ بڑی چالاکی سے اندر جانے میں کامیاب ہوا، اس نے ساتھ ہی سالک پاشا کو پہچاننے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اپنا تعارف کرایا اور عادل پاشا اور اپنے بابا کی دوستی کا حوالہ دیا۔ سالک پاشا بھی فوراً پہچان گیا اور بہت اچھے طریقے سے اس سے ملا مگر نوکری پھر بھی اسے قابلیت کی بنیاد پر ہی ملی تھی۔ اس کا سی وی بہترین تھا اور دوسرا ماحور نے اس کی راہ ہموار کرنے میں مزید مدد کردی تھی۔ وہ اس کے آفس کے اندر جانے پر اتنا ہائپر ہوگئی تھی کہ خود تو انٹرویو کو لات مار کر نکلی ہی تھی، باہر بیٹھے بیشتر امیدواروں کو تاؤ دلا کر واپس جانے پر مجبور کرگئی تھی اور جو رہ گئے تھے ان میں سے بلاشبہ مومن تراب بہترین چوائس تھا۔ سلیکٹ تو وہ اسی وقت کرلیا گیا تھا لیکن باقاعدہ اپوائنٹ منٹ لیٹر اسے آج گھر پر موصول ہوا تھا۔

وہ دادا کے ساتھ مل کر کپڑے دھلوا رہا تھا۔ صبح سویرے اسے گرم بستر سے کھینچ نکال کر باہر صحن کی ٹھٹھرتی سردی میں کپڑے دھلوانے کے لیے دادا نے شاویز سے اس کے بھتیجے کا ٹیڈی بیئر منگوایا تھا۔ حیران پریشان سا شاویز جب ٹیڈی بیئر لے کر پہنچا تو دادا نے اس کے استفسار پر ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اپنے پیچھے آنے کا کہا۔ مومن کے کمرے کا دروازہ آہستگی سے کھول کر دبے پیر اس کے بستر کے قریب آئے اور ایک سائیڈ سے لحاف اٹھا کر وہ ٹیڈی بیئر اندر گھسایا اور اپنی چھڑی کی

تک کہ وہ سوتی ہی باہوں میں کا گیا۔ دادا کی پٹر نے مومن کے سوئے حواس بیدار کیے اور پھر پل نہیں گزرے ہوں گے کہ زوردار چیخ مارتا مو بدکتا ہوا لحاف سے یوں اچھل کر باہر آیا جیسے ا ٹھنڈے پانی کے حوض میں پھینک دیا گیا ہو۔ سا کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھے دادا کو اور سا کھڑے شاویز کے خرگوش جیسے بڑے دانتوں کو دیکھ کر اس نے پہلے تیکھے چتونوں کے ساتھ دونوا باری باری گھورا اور پھر ذرا سا جھک کر احتیاط ساتھ لحاف کو ایک کنارے سے ہٹایا مبادا وہ نرم مخملیں جانور جو اس کی بانہوں نے محسوس کیا چھلانگ لگا تا اس کے اوپر نہ آجائے۔ تھوڑا تھوڑ کے ایک جھٹکے سے اس نے لحاف الٹ دیا۔ اندراً نومولود بچے جتنا ٹیڈی بیئر پڑا اس کی ''مردانگی'' منہ چڑا رہا تھا۔

''یہ...... یہ کیا مذاق ہے دادا؟ حد ہوگئی و یہ بھلا اٹھانے کا کون سا طریقہ ہوا۔ آپ مجھے و ہی اٹھاتے تو کیا میں نہ اٹھتا۔''

''اٹھتا۔ گھنٹہ بھر بعد۔'' دادا کی طرف سے سا جواب آیا۔

''تو اٹھ تو جاتا نا۔ لیکن آپ کے اس سے میرے دنیا سے اٹھ جانے کے چانسز ہو تھے۔ قسم سے، مجھے یوں لگا جیسے میرے پہلو میرے پہلو میں۔ اف...... اب کیا بتاؤں۔ ج دیں۔'' وہ بالوں میں ہاتھ کی انگلیاں پھنسا تا د سے بیڈ پر بیٹھا۔

''نہیں۔ نہیں۔ تم بتاؤ۔ بتاؤ گے نہیں کیسے چلے گا کہ تم کچھ بتانا چاہتے ہو۔ لیکن فی میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تین ہفتوں سے کپ نہیں دھلے اور اب نہ میرے پاس اور نہ تمہا پاس، ایک بھی گرم کپڑا صاف حالت میں اا میں موجود ہے۔ لہٰذا باہر صحن میں چلو اور مشین کپڑے دھو چلو شاباش۔ تب تک میں گرم گرم

کپڑے دھونے میں اور میں دھوپ سینکنے میں۔ چلو جلدی سے باہر آؤ۔ ورنہ اب دوبارہ میں گلی سے کوئی کتا اٹھا کر تم پر چھوڑوں گا۔"

دادا چھڑی سے اسے وارن کرتے، زور زور سے اسے ٹیکتے باہر نکل گئے تھے۔ مومن نے ٹیڈی بیئر پکڑا اور کھینچ کر دانت نکالتے شاویز کے منہ پر دے مارا۔

"ہمیشہ ایسی منحوس اشیاء تیری ہی بغل سے نکلتی ہیں۔ تجھے کیڑے پڑیں گے۔ دیکھ لینا۔ تیری جس لڑکی سے شادی ہوگی، اس کی داڑھی مونچھ ہوگی۔ اور وہ تجھے پپو کی امی اور تو اسے پپو کے پاپا بلایا کرو گے۔ میری ہائے لگے گی تجھے شاویز۔ اس کڑکتی سردی میں، تو نے میرے بستر میں یہ تھیلے سے لیا ریچھ گھسوایا ہے۔ میرا وقت آنے دے، میں تجھے اصلی ریچھ کے درشن کرواؤں گا کمینے۔"

ٹیڈی بیئر کو سینے سے چپکائے ہونق سا شاویز، مومن کے زنانہ کوسنے یوں سن رہا تھا جیسے لوگ پی ٹی وی کی خبریں سنا کرتے ہیں۔ ٹیڈی بیئر کو سہلاتے ہوئے وہ بھولپن کے کامیاب تاثرات چہرے پر سجاتے ہوئے بولا۔

"مجھ سے کیا کہتے ہو۔ تمہارے دادا کو انکار کرنے کا مطلب ہے، جینے سے انکار کرنا اور میں اس بھری جوانی میں' جبکہ میرے آگے پیچھے لڑکیاں اولوں کی صورت تڑاتڑ برستی ہیں' اپنی جان پر ظلم نہیں کر سکتا۔ سمجھے۔"

"تم نے واقعی آج تک خود کو آئینے میں نہیں دیکھا پیارے؟" مومن نے مصنوعی حیرت سے شاویز سے سوال کیا۔ "دیکھ لیا کر گھونچو۔ اوقات یاد رہتی ہے۔ چل اب پتلی گلی سے نکل لے اور شام کو تیار رہنا، جم چلنا ہے۔ چل نکل اب۔"

شاویز اسے کڑے تیوروں سے گھورتا بڑبڑاتا چلا گیا اور وہ بھی کڑا کر کے باہر صحن میں چلا آیا، جہاں

بغلوں میں دابا اور کچن میں دادا کے پا
جہاں چولہے کی فرحت بخش حرارت پھیلی
مگوں میں چائے انڈیل چکے تھے اور اب
کو پونی میں ڈال کر ساس پین کے پیندے
کر اس میں سے چائے کشید کر رہے تھے۔
کے رہ گیا اور چڑ کر بولا۔

"دادا۔ خبردار جو آپ نے یہ پتی میر
میں نچوڑی۔ سخت الجھن ہوتی ہے مجھے ا
سے۔ میں نہیں پیوں گا ورنہ۔ ہاں۔"

"ظاہر ہے۔ تیرے باپ نے چلتی
تھی نا جو اتنے نخرے ہیں۔ میں کم از کم یہ
بھی ضائع نہیں کر سکتا۔"

"تو نہ کریں نا۔ اپنے مگ میں نچوڑ
مجھے کیوں دیتے ہیں۔ مجھے کوفت ہوتی ہے

"ابے او کوفتے۔ چائے میں پاپ
کھاؤ اور باہر واشنگ مشین کو درشن کر
کپڑے ہر حال میں دھلنے ہی ہیں۔" دادا
تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ کیونکہ مومن کے
تھے۔ اتنا سن کر بھی اس کا منہ لٹک گیا۔ احس
ہوئے اس نے دو رس چائے میں ڈبو، ڈبو۔
اور بقیہ ایک گھونٹ میں پی کر اٹھ کھڑا ہوا۔

کپڑے دھونا کون سا آسان کام تھ
جب دادا سر پر بیٹھ کر دھلوائیں۔ ایسے ملو۔
رگڑو۔ مشین کو ایک چکر اور دو۔ میرے تو ہات
ملنا، مشین میں مت ڈالنا۔ ایسے میں مومن کو
سب ہی یاد آ جاتیں۔ وہ بلا تکان بڑبڑ کرتا ا
دھوتا جاتا۔ دادا سکون سے باسی اخبار منہ
کیے اس کی سنتے جاتے، جیسے ابھی سن رہے۔

"میں کہتا ہوں کہ آخر اتنی محنت سے
نے ایم بی آئی ٹی کی ڈگری لی تھی، کیا وہ اس
مشین کو پھیرے دوں۔ رنگین اور سفید کپڑ
الگ کرنا سیکھوں۔ فرش پر پھسکڑا مار کر بیٹھ

حساب رکھوں اور دادا آپ۔ آپ کا بس چلے تو ہر
شے کو نیلو نیل کر دیں۔ میں کہے دے رہا ہوں، مجھ
سے نہیں ہوتے اب یہ زنانہ کام۔"

"تم مردانہ سمجھ کر، کر لیا کرو کیونکہ مردانہ
کپڑے دھوتے ہو۔" دادا نے اخبار کے پیچھے سے
ہی جواب دیا۔

"ہونہہ۔ بھلا سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ دھوتا تو
کپڑے ہی ہوں نا۔ اب یہی دیکھیں۔ یہ......" اس
نے ہاتھ میں تھامی ہلکے نیلے رنگ کی بیڈ شیٹ لہرائی۔
"اس بیڈ شیٹ کو میں تب سے دیکھ رہا ہوں جب سے
میں خود بھی "شیٹ" بچھا کر سوتا تھا، لیکن مجال ہے جو
آپ نے اسے اللہ واسطے کسی کو دیا ہو۔ یہ منحوس آج
بھی ہمارے گھر ہے۔ اب تو اس کی حالت کسی
سالخوردہ بینر جیسی ہو چکی ہے، جسے ایک بار لگا دینے
کے بعد اتارنے کی نوبت نہیں آتی۔ اس پر سونے
سے مجھے پت نکل آتی ہے دادا۔ میرے جسم پر
کانٹوں کی طرح چبھتی ہے یہ۔"

"بک بک بند کرو۔ سردیوں میں پت نہیں
نکلتی۔ اچھی بھلی بیڈ شیٹ ہے۔ تمہاری دادی نے اس
زمانے میں ساڑھے تین سو کی خریدی تھی۔ اب لینے
جاؤ تو تین ہزار سے کم میں نہیں ملے گی۔ اور تم کدھر
کی لیڈی ڈیانا ہو جو تمہارے جسم کو ریشم چاہیے۔" دادا
نے ٹھنڈے لہجے میں اسے دھو کر رکھ دیا۔ اخبار ہنوز
چہرے کے آگے تھا۔

"بس میں نے کہہ دیا۔" مومن نے شڑاپ
کی آواز کے ساتھ ہاتھ میں پکڑی بیڈ شیٹ پانی کے
ٹب میں پھینکی اور بولا۔ "اس گھر کو عورت کی ضرورت
ہے۔"

"ارے۔ دادا قربان تجھ پر میرے پوتے۔
مجھے یہ بات کہتے شرم آتی تھی، آخر کو مشرقی دادا ہوں
نا۔ اب تجھے یہ نادر خیال آ ہی گیا ہے تو میں کیوں نا
تیری خوشی پوری کروں گا۔ رکھ بیٹا رکھ۔ تو جس پر
ہاتھ رکھے گا اسے تیری دادی بنا لاؤں گا۔ تو بس دادی
[illegible]

[illegible] دادی
سامنے لا کھڑی کرے گا۔ مومن انہیں کینہ توز نظروں
سے بالکل اسی انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے دادا عام طور
پر اسے دیکھا کرتے تھے۔

"کیا کہنے آپ کے دادا۔ آپ نے تو میری
آنکھوں کے سوتے پھوڑ ڈالے۔ بندہ پوچھے کہ اپنے
لیے دادی ہی ڈھونڈنی ہے تو گھر والی نہ ڈھونڈ لوں۔
میں اب اس عمر میں سوتیلی دادی کا دکھ نہیں اٹھا سکتا۔
نہ جانے کیسے کیسے ظلم کے پہاڑ توڑے مجھ پر۔ آپ
کی تو آنکھوں پر ظاہر ہے خماری کی پٹی بندھ جائے
گی، میں مسکین کدھر جاؤں گا۔ نا بابا نا۔ آپ
کنوارے ہی بھلے۔"

"کمینہ۔ تھڑدلا نہ ہو تو۔ میں نے ساری عمر اس
آس میں گزار دی کہ کب میرا پوتا جوان ہو اور اپنی
دادی خود چن کر لائے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ تم میری
آنکھوں کے خواب نوچ ڈالو گے۔" دادا کے ایموشنل
بیان پر ایک سنجیدہ سی نظر مومن نے ان کے چہرے پر
ڈالنے کی کوشش کی مگر دادا اخبار کی آڑ سے ہی بولے
تھے۔

"جیسے مجھے دادی کی ضرورت نہیں۔ ویسے ہی
آپ کو جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تو
گھر کے کام کرنے والی عورت کی بات کی تھی۔ آپ
اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگے۔ ہی ہی ہی۔"
بات مکمل کر کے مومن مضحکہ خیز انداز میں ہنسا تو دادا
کا ہاتھ پاؤں میں پہنے سلیپر کی طرف گیا۔ اس سے
پہلے کہ کھینچ کر سلیپر مارتے اور دل ٹھنڈا کرتے، گیٹ
پر بیل ہوئی تھی۔ مومن سرف سے لتھڑے ہاتھوں
سمیت گیٹ تک گیا تھا اور واپسی پر گھوڑے کی طرح
ہنہناتا آیا تھا۔

"لیس۔ لیس۔ مل گئی۔ مجھے ملنی ہی تھی۔ بھلا
مومن تراب کے آگے کس کی دال گل سکتی ہے۔ آفٹر
آل اباؤٹ گلس۔" مومن خوشی سے قہقہے لگاتا، دادا
کے قریب ہی کرسی کھینچ کر بیٹھا اور اپنا اپوائنٹ منٹ
[illegible]

اب آپ مجھ سے مزید یہ زنانے کام نہیں کروا سکتے۔ کیوں کہ مجھے۔ یعنی کہ مومن تراب کو ایک بہترین فرم میں بہترین نوکری مل گئی ہے۔ اب میں بابو بن کر اپنے آرام دہ آفس میں بیٹھا کروں گا۔ ترقی میرے قدم چومے گی اور میں اسے بار بار کہوں گا۔ ذرا زور سے چوم اور زور سے۔" وہ آنکھیں میچے یوں بولا جیسے ترقی نہ ہوئی۔ وہ ہوگئی۔ آہو!

دادا نے اپنا چشمہ اتارا۔ مومن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ذرا سا آگے ہوئے۔ اس کے گرم اونی سویٹر کا دامن پکڑ کر اسے کھینچا اور چشمے کے شیشے صاف کرتے ہوئے بولے۔

"پوتے۔ تم بھلے سے فرم کے مالک بھی بن جاؤ نا، کپڑے تو میں تم ہی سے دھلواؤں گا۔ کیونکہ جو مزا تمہاری "دھلائی" میں ہے وہ کسی اور کی دھلائی میں کہاں۔" ان کا انداز سراسر چڑانے والا تھا اور مومن چڑ بھی گیا۔ اس نے ایک ابرو اچکاتے ہوئے دادا کو گھورا اور چبا چبا کے بولا۔

"انفیکٹ آپ کو ایک پوتے کی نہیں ایک چھوٹے کی ضرورت ہے دادا۔ جسے آپ جب چاہیں آواز دیں اور حکم بجالانے کے لیے دوڑاتے رہیں۔ "چھوٹے! آئیو ذرا گیٹ کھولیو۔ چھوٹے ذرا چھت سے کپڑے تو اتار لائیو۔ چھوٹے۔ چھوٹے۔ چھوٹے...... بس میں نے بھی کہہ دیا۔ آج ہی شاویز کی کام والی ماسی سے کہیں کہ ہمارے گھر کی بھی صفائی اور کپڑوں کی دھلائی کر جایا کرے۔ بس کہہ دیا اب۔ جو خرچا ہوگا، میں اٹھانے کو تیار ہوں۔" اس کی گردن میں آتا اکڑاؤ دادا کو تاؤ دلانے کے لیے بہت تھا۔ اب کے انہوں نے لحاظ نہیں کیا بلکہ سلیپر اتار کر بیچ میں اس کی گدی پر برسا دیا۔ مومن بے چارہ آنکھیں میچے ہونے والے خرچے کا حساب لگاتے ہوئے یک دم بلبلا کر رہ گیا۔ اس کے بعد پوتا آگے آگے اور دادا پیچھے پیچھے۔ سارے میں مومن کی۔ "او کوئی بچاؤ" اور دادا کی "کر خرچا اب" کی

سرف کا جھاگ وہیں ایک لوٹے پر
قسمت کو رو رہا تھا۔

☆☆☆

وہ سب نہایت خاموشی سے ناشت
تھے۔ سبھی کے انداز بجھے بجھے سے تھے۔
ہاتھ میں چائے کا مگ پکڑے، دوسر
زوہان کا سر سہلا رہی تھی، جبکہ سوچتی نظریں
میز کے عین وسط میں پیوست تھیں۔ سیف
بھی اسے مسلسل نوٹ کر رہے تھے۔ وہ
اگر بتانا چاہتی تو خود سے ہی بتا دیتی ورنہ
پنچ لے، وہ بھاپ تک نہ نکالتی۔ لیکن وہ
کے بھائی تھے، پوچھے بغیر رہ بھی نہیں
ریان نے کہنی مار کر سیف کو ابتدا کرنے کا
"اپیا! کیا بات ہے۔؟ کل سے اس
کیوں ہو؟ کیا جاب نہیں ملی، اس لیے؟"
چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔ و
لے کر اس پر ملائی لگا رہا تھا۔
"ہمم...... نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں
ہار نہیں مانتی۔ یہ نہ سہی اور سہی۔ نوکری یو
تھوڑی نا ہے اس ملک میں۔ ہر روز ا
ہیں۔ ہاں بس انہیں حاصل کرنے کے لیے
پاس تگڑی سفارش یا پھر ٹانگ کھینچنے کا گ
اس کے تصور میں ایک بار پھر مومن ترا
اندر تک کڑواہٹ سی بھر گئی۔ ایک عرص
اسے تلخ ہوئے۔ اب تو وہ سب عادی ہو
"اچھا چلیں چھوڑیں۔ یہ بتائیں ک
بل جمع کروائیں یا اسکول کالج کی فیسیں
نے یہ بات پوچھتے ہوئے کسی مجرم کی طر
تھی۔ "مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کل
جنت کو بھی اسکول کی طرف سے لاسٹ
ہے۔"
"تم بل جمع کرواؤ۔ آج میں
بندوبست کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔

ایک گمبھیر خاموشی ان سب کے درمیان چند پل کو چھا سی گئی۔ جسے عقیل مغل کی بڑبڑاہٹ نے توڑا۔ رات ڈھائی بجے گھر آئے تھے اور آتے ساتھ ہی لاؤنج کے فرش پر دھڑام سے گر کر بے سدھ ہوگئے تھے۔ اس حالت میں ان کو کوئی گاڑی بھی روندتی گزر جاتی تو کبھی ہوش میں نہ آتے، نہ جانے گھر کیسے آجاتے تھے۔ ماحور انہیں دیکھ کر اکثر یہی دعا کرتی کہ کاش! یہ کبھی گھر نہ آئیں۔

اس کی زندگی کو اس نہج پر پہنچانے والی دو ہی تو ہستیاں تھیں۔ ایک اس کا باپ اور دوسری۔ دوسری کے بارے میں سوچ کر ہی اس کی رگوں میں خون ابل پڑتا۔ اس نے اپنا دھیان بٹانے کے لیے شور مچانا شروع کردیا۔

''اٹھو، اٹھو تم لوگ۔ نکلو۔ مت اتنی دیر کیا کرو۔ اور زوہان تمہارے اسکول سے کل پھر مجھے کال آئی تھی۔ پرنسپل نے بلایا ہے۔ کیا کیا ہے اب تم نے؟ مجھے گھر پر ہی بتا دو تو بہتر ہے ورنہ وہاں مجھے شرمندگی اٹھانی پڑی تو اسکول سے جوتے لگاتی آؤں گی اور گھر تک لاکر بھی بس نہیں کروں گی۔ اس لیے مجھے اپنی کرتوت کے بارے میں ابھی آگاہ کردو۔ بولو۔''

سب کی نظریں زوہان پر جم گئیں۔ گھبرا تو وہ پہلے ہی گیا تھا اب مزید حواس باختہ ہو گیا اور اسی حواس باختگی میں وہ بولا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا اپیا۔ کچھ بھی نہیں۔ سب مجھ سے لڑتے ہیں۔ مجھ پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ سب کے سب۔''

''کون زونی۔ کون لگاتا ہے جھوٹے الزام اور کون لڑتا ہے۔ بتاؤ مجھے۔ کس کی بات کررہے ہو؟'' ماحور نے پریشانی سے زوہان کا چہرہ جانچتے ہوئے سوال کیا۔ جواباً وہ بالکل خاموش ہوگیا۔ سب کی مشکوک نظریں ابھی بھی اسی پر جمی تھیں۔ اس نے تھوک نگلتے ہوئے سب کو باری باری دیکھا اور اور ایک جھٹکے سے اٹھا۔ اپنا بیگ گھسیٹا اور یوں باہر نکلتا

شامت یقینی ہے۔ ماحور اس کی حرکت پر ہکا بکا رہ گئی۔ زوہان کے انداز میں جارحانہ پن نمایاں تھا۔ سیف اور ریان بھی اس کے رویئے پر حیرت زدہ تھے۔ صرف جنت تھی جو سکون سے ناشتا کررہی تھی جیسے یہاں موجود ہی نہیں یا پھر یہاں کچھ ہوا ہی نہیں۔

''تم تینوں بھی اٹھو اب۔ جاؤ اس کے پیچھے۔ ادھر ادھر نہ نکل جائے کہیں۔ اٹھو جنت۔ دیر ہورہی ہے۔'' جنت اپنا سلائس ہاتھ میں لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آج مجھے زونی کے اسکول چکر لگانا ہی پڑے گا۔ کوئی سیریس بات نہ ہو۔'' ماحور نے دونوں ہاتھوں میں سر لیتے ہوئے کہا۔ سیف نے قدرے تاسف سے اسے دیکھا۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ چھوٹی سی عمر میں کتنی آزمائشوں میں مبتلا تھی اس کی بڑی بہن۔ اس بات کا اسے بخوبی احساس تھا۔ وہ تینوں خاموشی سے اپنے بیگز پکڑے باہر نکل گئے۔ ماحور کتنی ہی دیر سر ٹیبل پر گرائے بیٹھی رہی۔ پھر ایک دم ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی جب عقیل مغل کے ہوش میں آنے کی علامت ظاہر ہونا شروع ہوئی۔ انہوں نے گالیاں دینا شروع کردی تھیں۔ اس سے پہلے کہ برداشت جواب دے جاتی، ماحور نے فٹافٹ برتن سمیٹے اور جیکٹ پہن کر سر کو اسکارف سے لپیٹا اور چابیاں ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑے گھر سے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

''دیکھیے پرنسپل صاحب۔ آپ اس سارے معاملے کو یک طرفہ دیکھ رہے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ زوہان بے قصور ہے لیکن آپ دوسرے بچے سے بھی تو باز پرس کریں نا آخر اس نے زوہان کو گالی کیوں دی۔'' ماحور کچھ پریشان اور کچھ نادم سی پرنسپل صاحب کو زوہان کی صفائی دیتے ہوئے بولی۔ وہ ریسٹورنٹ سے کچھ دیر کا آف لے کر زوہان کے اسکول آئی تھی۔ یہاں پہنچنے سے پہلے وہ رائنہ کو ساتھ

تقویت دیتا تھا۔ پرنسپل صاحب کے پاس زوہان کی
شکایتوں کا انبار تھا۔ زوہان ایسا ہے۔ زوہان ویسا
ہے۔ ماحور کو یہ معاملہ ذاتی ناپسندیدگی کا لگ رہا تھا
کیونکہ اس کی برائیاں گنوانے میں پرنسپل صاحب کا
جوش وخروش دیدنی تھا۔ زوہان کی اپنے ایک کلاس
فیلو سے لڑائی ہوگئی تھی۔ وہ بچہ خاصی ویل آف فیملی
سے تھا۔ بقول پرنسپل، زوہان نے نہ صرف اس بچے
کو مارا پیٹا بلکہ اس کی بکس بھی پھاڑ دیں۔ وہ ماحور کو
یہ سب بتاتے ہوئے اس اسکول کے پرنسپل کم اور
اس بچے کے گارجین زیادہ لگ رہے تھے۔

''دیکھیں مس ماحور! زوہان کا آئے روز کسی نا
کسی سے جھگڑا رہتا ہے۔ وہ اتنا جھگڑالو ہے کہ اسے
اگر کوئی لڑنے کے لیے میسر نہ ہو تو اسکول کی پچھلی
گراؤنڈ میں جا کر خود سے لڑتا ہے۔ درختوں پر
چھڑیاں برساتا ہے۔ چیختا چلاتا ہے۔ شرجیل کے
ساتھ بھی جھگڑے کی ابتدا اسی نے کی۔ ورنہ وہ بچہ بڑا
بھلا مانس ہے۔''

''اچھا......'' رائنہ اس بات پر چیخ کر بولی۔ وہ
کب سے خاموشی سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے اور کہنی کو
کرسی کی ہتھی پر ٹکائے، شہادت کی انگلی کو ہونٹوں پر
جمائے آنکھیں سکیڑے پرنسپل کو دیکھ رہی تھی۔'' اتنا
ہی بھلا مانس ہے تو آپ ہی کے منہ سے نکلا کہ اس
بچے نے زوہان کو ''غلطی'' سے گالی دے دی تھی۔
اب اگر وہ بچہ غلطی سے گالی دے سکتا ہے تو زوہان
بھی غلطی سے اسے پنچ مار سکتا ہے پرنسپل صاحب۔''

ماحور نے ٹیبل کے نیچے سے پاؤں مار کر رائنہ کو
خاموش رہنے کا الٹی میٹم دیا۔ مگر مقابل رائنہ تھی۔ فوراً
اس کی پہنچ سے پیر کو دور کیا اور گردن اکڑا کر پوچھ
پڑتال کے لیے سیدھی ہو بیٹھی۔ پرنسپل پہلے ہی بل
کھائے ہوئے تھا۔ مزید تلخی سے گویا ہوا۔

''دیکھیں مس۔ ہمارے اسکول کی ریپوٹیشن کا
سوال ہے۔ شرجیل اس سکول کے ٹرسٹیز میں سے
ایک کا پوتا ہے۔ وہ کوئی معمولی گھرانے کا بچہ نہیں۔

کے جی ڈیوز وقت پر کلیئر ہوتے ہیں۔
پینڈنگ نہیں رہتے۔ ہونہہ۔'' پرنسپل نے
اصل کھولن نکال باہر کی تھی کہ کمال ہی کر
نے اذیت سے آنکھیں میچ لیں اور رائنہ
کے ساتھ اس کی سمت دیکھا تھا۔ اسے
تھے اس سارے فتنے کی اصل تک پہنچنے
زوہان اور جنت کی فیسیز ادا نہیں ہوئیں
صاحب نے بچوں کے چھوٹے سے جھگڑ
بنا کر اصل ایشو پر بات کرنا تھی۔ لیکن
بہت عامیانہ طریقہ اپنایا تھا۔ پیرنٹس کو آف
ذلیل کر کے فیسیز وصول کرنا کہاں کی انس
رائنہ کے مارے طیش کے نتھنے پھڑکنے
نے اپنا لیدر بیگ زوردار آواز کے ساتھ
ٹیبل پر مارا اور اپنی لمبی انگلی پرنسپل کی ط
کرتے ہوئے ان سے بولی۔

''آئے تو ہم یہاں زوہان اور جنت
کلیئر کرنے تھے، لیکن اس بہانے یہ بھی
کہ آپ بچوں کے ساتھ تعصب برتتے ہیں
پہلا فقرہ سن کر جو پرنسپل کی باچھیں
دوسرے کے ساتھ ہی واپس ٹھکانے پر
ہکلا سے گئے۔

''ار......ارے نہیں۔ نہ......نہیں
نہیں۔ زوہان بہت انٹیلی جنٹ ہے، بس
کچھ زیادہ ہائپر ہوگیا۔ چلیں جانے دیں
لوں گا سارے معاملے کو۔ آپ پلیز ایڈمن
جا کر ڈیوز کلیئر کیجیے، تب تک میں آپ
منگواتا ہوں۔'' ماحور پرنسپل کی گرگٹ جیسی
ہکا بکا رہ گئی۔ حیران پریشان تو وہ رائنہ کی
تھی۔ بھلا اس کے پاس کہاں تھے فیس
بھی تین ماہ کی اکٹھی فیس۔

وہ مسلسل رائنہ کو متوجہ کرنے کی کوش
مگر وہ میڈم تو جیسے یہاں کسی اور کے سا
جو اس کی طرف دھیان ہی نہیں دے

"آپ اپنی کافی اپنے پاس رکھیے۔ کچھ دیر میں آپ کو ضرورت پڑنے والی ہے۔ ہم ذرا ایڈمن آفس سے فارغ ہو لیں، اس کے بعد ان شاء اللہ میرا اگلا اسٹیپ آپ کے اسکول کے ہیڈ آفس کال کرنے کا ہوگا۔ میں آپ کی کمپلینٹ لازمی کروں گی۔ کس طرح آپ نے ہمارے بچوں کو اور ان کے گھر والوں کو بروقت ڈیوز کلیئر نہ ہونے پر ڈی گریڈ کیا ہے۔ اور آج کے بعد۔" رائنہ اپنی کرسی سے ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی اور ٹیبل پر ہتھیلیاں جماتے ہوئے بولی۔ "اگر آپ نے ہمارے بچوں کو ان کے کسی کلاس فیلو یا فیکلٹی کے سامنے نیچا دکھانے کی کوشش کی تو یقین جانیے بس دو دن۔ دو دن میں آپ کا اسکول بند کروا دوں گی۔ اس علاقے کا ایس ایس پی میرا بہنوئی ہے۔ بس اتنا تعارف کافی رہے گا پرنسپل صاحب۔" رائنہ نے سکتے میں آئی ماحور کا بازو تھاما اور آفس سے باہر نکلتی چلی گئی۔ پیچھے پرنسپل صاحب پریشانی کے عالم میں ادھ کھلا منہ لیے بیٹھے رہ گئے۔

☆☆☆

ٹیکسی میں اس قدر خاموشی تھی کہ اسے اب الجھن ہونے لگی تھی۔ وہ تو چپ بیٹھ ہی نہیں سکتی تھی۔ کوئی نہ ملتا تو خود سے ہی چار باتیں کر لیتی تھی۔ پہلو پر پہلو بدلے جا رہی تھی مگر ماحور نے رخ بدل کر نا دیکھا۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے باہر بھاگتی دوڑتی ٹریفک میں اللہ جانے کون سی دنیا دریافت کرنے کے چکروں میں تھی۔ عارض لال بھبوکا ہوئے اس کے اندرونی خلفشار کا پتا دے رہے تھے۔ نتھنے بڑے ردھم سے پھڑک رہے تھے اور ماتھے پر پڑے بل جیسے سارے غصے کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے۔ اس کو ہنسی آگئی جسے اس نے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ ہنسی تو ماحور نے پلٹ کر اسے شکوہ کناں نظروں سے دیکھا۔ پلکوں پر ہلکی سی نمی بے اختیار اتر آئی۔ رائنہ نے طویل سانس بھری اور اسے دھیمے سے مخاطب کیا۔ ٹیکسی میں نہ بیٹھی ہوتی تو اپنے مخصوص

"تمہیں پتا ہے ماہی۔ تم جتنی خوب صورت ہو اتنی ہی سڑی ہوئی ہو۔ اپنا خون جلا جلا کر تم ڈریگن کی طرح آگ اگلنے لگی ہو۔ ہاہاہا......" وہ بھرپور ہنسی مگر ماحور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ کھلی۔ رائنہ نے اپنا بیگ دھپ کی آواز کے ساتھ اس کے پہلو میں کھینچ کر مارا اور دھونس سے بولی۔

"اب کیا جان لو گی میری۔ بس بھی کرو۔ میں اگر مرگئی تو دن رات مجھے یاد کر کے رویا کرو گی تم۔ ہاں نہیں تو۔"

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا رائنہ۔ میں کس طرح اتنی بڑی رقم کا قرض اتاروں گی۔ تمہیں زونی اور جنت کی فیس پے کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔"

"اچھا جی۔ تو تم کیا کر لیتیں۔ ہیں جی؟" رائنہ نے ابرو اچکاتے ہوئے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"ظاہر ہے، تمہیں منع کر دیتی اور کیا۔"

"اچھا۔ تو پھر وہ پرنسپل کا بچہ دونوں کو ایکسپیل کر دیتا اسکول سے۔ وہ ٹھیک تھا؟"

"نہیں۔ نہیں۔ اس کی نوبت نہیں آتی۔ میں چند دن تک رقم ارینج کر ہی لیتی۔ ہو جاتا کچھ نہ کچھ۔"

"او...... ہاں جی آپ کے تو اشارہ ابرو پر نوٹوں کی قطار ہاتھ باندھے چلی آتی نا اور کورنش بجا لاتے ہوئے عرض کرتی۔ بولیے ماحور بی بی، ہمیں کس کی جیب میں جانا ہے۔ اتنی ہی تو تمہاری پی آر ہے۔ ہیں جی۔"

"کچھ بھی کرتی رائنہ۔ لیکن تمہارا احسان لیتے مجھے واقعی شرم آرہی ہے۔ پہلے ہی کیا کم کرتی ہو تم ہمارے لیے۔ جانے انجانے کتنے ہی تو مقروض ہیں ہم تمہارے۔ اب یہ نیا بار۔" تاسف اس کے لہجے میں بول رہا تھا۔ رائنہ نے اس کے قریب کھسک کے بڑی محبت سے اسے ساتھ لگایا اور اسے دھیما سا جھنجوڑتے ہوئے بولی۔

"ایسا مت سوچا کرو ماہی۔ مجھے نہیں معلوم

تمہارے بہن
بھائیوں سے بالکل اپنوں سی انسیت ہوگئی تھی۔ گو کہ مجھے تم نے شروع میں لفٹ نہیں کرائی تھی مگر پھر بھی میں ڈھیٹ بنی آتی رہی یہاں تک کہ تم سب مجھ سے مانوس ہوگئے۔ عاقب نے کبھی اعتراض نہیں کیا کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں ان کی امی کی تمہاری والدہ سے بہت اچھی دوستی رہی ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ ابھی فی الحال زوہان اور جنت کی فیسوں کی طرف سے تو ٹینشن ختم ہوئی نا، اب سیف اور ریان کا مسئلہ بھی حل ہو ہی جائے گا۔ کچھ دنوں میں عاقب سے مزید پیسے مانگوں گی۔ تم آرام سے ان کی فیسیں۔"

"خبردار۔" ماحور ایک دم بے حد سختی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "خبردار جو تم نے اب ایک پیسہ بھی مجھ پر یا میرے گھر والوں پر لگانے کی کوشش کی تو۔" اس کا تنفس تیز ہوگیا تھا اور آنکھیں نہ چاہتے ہوئے بھی چھلک گئیں۔ ماحور کے رونے سے رائنہ یک دم خفیف سی ہوگئی تھی۔ ماحور نے محسوس کرتے فوراً اس کا ہاتھ تھام کر عقیدت سے اس کی پشت پر بوسہ دیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تم میرے لیے کیا ہو، اس کا اندازہ مجھے اپنے ہر مشکل وقت میں ہوتا ہے رائنہ۔ تم وہ دوست ہو جو کڑے وقت میں پیٹھ نہیں دکھاتے بلکہ اپنی پیٹھ پر دوست کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ لیکن میں نہ تو خود غرض ہوں نہ ہی موقع پرست۔ کمزور انسان دوسروں کی کمزوری کا فائدہ نہیں اٹھاتا۔ کم از کم میں ایسی نہیں ہوں۔ تم نے جتنا بھی میرے لیے کیا وہ نا میرا حق تھا نہ تمہارا فرض۔ پھر بھی یہ تمہاری دوستی کا مجھ پر احسان ہے۔ لیکن میری ریکوسٹ ہے کہ مجھ پر اتنا ہی بوجھ ڈالو جتنا میں اتار سکوں۔ پلیز۔"

رائنہ نے ایک طویل اور مطمئن سانس فضا کے سپرد کیا اور مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی سے اپنا سر ٹکراتے ہوئے بولی۔

"تم بھی نا... ایک دم پگلی ہو۔ مجھے ... سمجھا

رہی ہو یہ...... یہ کے تو بھی جا
پاگل۔"

ابتدا تو بڑے ناصحانہ انداز میں ک
کے اختتام پر اس کی طرف دیکھتے ہو
اڑائی کہ ماحور کو لگا اسے شارٹ کٹ میں
تھا اس نے۔ ماحور کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا
ہاتھ اس کے سر کے اوپر اور دوسرا ٹھوڑی
اس کا منہ بند کرتے ہوئے چمک کر بولی۔

"تین دن ہیں تمہارے پاس۔ ا
میں اگر ریان اور سیف کی فیسیں ارینج
ٹھیک۔ ورنہ چوتھے دن میں جمع کرو
سمجھیں۔ بڑی آئیں۔ رائنہ نام ہے میر
میں سودے بازی کی قائل نہیں ہوں
سے توقعات وابستہ کرتی ہوں۔ بس دو
اور دوستی ہی رکھتی ہوں۔ سمجھ میں آیا نا۔ آ
ساتھ ایسا پنگا نہ لینا۔ ہیں جی۔"

"تم...... تم ایک نمبر کی فضول لڑکی
ساس کو شکایت کروں گی کہ تمہیں لگام
ورنہ ان کے بیٹے کی کمائی لٹا دے گی ان کی
نے دانت پیستے ہوئے اسے دھمکایا مگر ا
نہیں ہوا۔ وہ دانت نکوستے ہوئے بولی۔

"ہی ہی ہی...... ان کو بتاؤ گی تو
گی۔ وہیں دھر لیں گی کہ بی بی اب گھر
پہلے ساری چونیوں، اٹھنیوں سمیت پیسے
بڑی آئی میری شکایت لگانے والی۔ ا
اگلی بات۔ میری ایک فرینڈ ہے۔ ابرش
یہ رہا اس کا کارڈ۔" رائنہ نے عجلت میں
کارڈ اس کے حوالے کیا۔ "اس کے
ہے۔ اچھی ساکھ ہے۔ میں بھی شادی
دس ماہ جاب کر چکی ہوں۔ ماحول بھی
ہے۔ ابرش کو کوآرڈینیٹر کی ضرورت ہے۔
کی بچی بس ریوالونگ چیئر پر جھولے
ہے، کوئی ہارڈ ورکنگ ہینڈ چاہیے اسے

کیونکہ وہ ذہین اور اپنے کام کے حوالے سے کسی کو نہیں چھوڑتے۔ اسے بھی زبردستی آفس جوائن کروایا کیونکہ انہیں بے کار بیٹھنا پسند نہیں۔ اب اس سے اتنے سیاپے نہیں ہوتے اس لیے ڈھونڈ رہی ہے کسی اسسٹنٹ ورکر کو۔ مجھے بلا رہی تھی لیکن عاقب نے اجازت نہیں دی۔ میں نے تمہارا نام لے دیا۔ اب کل تمہیں دس بجے تک اس جگہ پہنچنا ہے۔ پیکیج بھی اچھا ہے۔ باقی سمجھو کہ یہ نوکری پکی۔ اوکے۔"

ماحور گنگ سی بیٹھی اس مہربان کو دیکھ رہی تھی جو اس کی زندگی میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے آخری حد تک جاتی تھی۔ قدرت ہر ایک کو زندگی میں چند مخلص اور بے مثل لوگوں سے ضرور نوازتی ہے جن کے سہارے راستے کی کٹھنائیاں، آسانیوں میں بدل جاتی ہیں۔ یہ کہنا عبث ہے کہ ہمیں کوئی ملا نہیں، بلکہ ہم کسی پر بھروسا نہ کر کے خود کو تنہا کر دیتے ہیں۔

رائنہ، ماحور کی آنکھوں میں اترے پانی سے جان بوجھ کر بے نیاز سیل فون پر مصروف تھی جبکہ ماحور نے تشکر سے اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنا رخ کھڑکی سے باہر بھاگتی دوڑتی زندگی کی اور موڑ لیا تھا۔

☆☆☆

صحن میں ڈھیر ساری مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکرے پڑے تھے۔ دادا ہر چیز کا باریک بینی سے جائزہ لے رہے تھے۔ قریبی کرسی پر مومن پاؤں پھیلائے، ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کیے، کوٹ اتار کر گھٹنوں پر ڈالے نیم دراز سا آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ آج نوکری کا پہلا دن تھا۔ صبح آٹھ بجے سے شام چار تک کی ٹائمنگز تھیں۔ سارا دن کام سمجھتے اور پوری بلڈنگ کے ہر فلور کے ہر سیکشن کا تفصیلی جائزہ اور باقی ورکرز کے ساتھ تعارف میں نکل گیا تھا۔ اس کا موڈ بہت فریش تھا۔ واپسی پر وہ پھل اور مٹھائیاں لیتا آیا۔ ارادہ تھا کہ نوکری ملنے کی خوشی میں محلے میں بٹوا دے گا۔ دادا کے لیے اتنی فضول خرچی ہرگز ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

سارے پھلوں کے ٹوکرے کھول کھول کے دیکھے۔ مٹھائی بھی دیکھنے کے بہانے کتنی ہی کھا بیٹھے۔ پوتے کی شکل دیکھی تو وہاں تو بہار آئی بیٹھی تھی۔ انہوں نے آنکھیں سکوڑ کر مومن کو متوجہ کرنے کے لیے دو دفعہ فرش پر چھڑی ماری اور لہجے کو سرسری سا رکھتے ہوئے بولے۔

"ہاں تو میاں۔ یہ سب بھلا کس لیے اٹھا لائے ہو۔ کچھ بتانا پسند کرو گے؟"

"ارے پیارے دادا۔ آم کھائیں نا اور بس آم ہی کھائیں۔"

اس نے لہک کر جواب دیا۔

"کیوں گٹھلیاں تو چوسے گا؟ نا مجھے بس یہ بتا دے کہ میرا ولیمہ تھا جو اتنا پھل اور مٹھائی گھر اٹھا لایا۔"

"دادا آپ کو ہر وقت اپنے ولیمے کی ہی چاہ کیوں چڑھی رہتی ہے۔ میرے ولیمے کا بھی ذکر خیر کیا کریں۔ گھر میں رونق ہوگی۔"

"رونق تو میرے ولیمے پر زیادہ ہو سکتی ہے کیوں کہ پورے شہر کے بابوں نے حسرت کے مارے بس یہ دیکھنے کے لیے شرکت کرنی ہے کہ میرا بیاہ اس عمر میں ہوا کیسے اور اس کے محرکات کیا تھے اور آیا وہ بھی ایسے حالات پیدا کر سکتے ہیں کہ ان کا بھی چٹ ولیمہ اور پٹ ولیمہ ہو جائے۔ کیوں کہ جھٹیٹے کی عمر میں ولیمے کا لفظ ہی کشتے کا کام کرتا ہے۔ سمجھے پوتے۔"

پوتا تو کیا خاک سمجھتا، اس کا تو دادا کے نادر خیالات پر ہی دل و دماغ اش اش کر اٹھا۔ اس نے تین چار بار آنکھوں کو ملا بھنویں اچکا کر تھوک نگلا اور رسان سے بولا۔

"آپ بھی بات پیدائش پرچی سے شروع کرتے ہیں اور ولیمے پر دم لیتے ہیں۔ اب یہ سب ٹھکانے لگوائیں۔ نوکری ملنے کی خوشی میں لایا ہوں۔ سوچا محلے داروں کو بھی شریک کروں۔ آپ سب میں تقسیم کروا دیں۔"

صحن میں ہی بٹھالیتا اور پھلوں کے ٹھیلے یہیں کھڑے کروا کے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کراتا۔ کہ آؤ اور میرے پوتے کی عقل پر دوٹے مارو۔ جسے پہلی تنخواہ نہیں ملی ابھی لیکن تنخواہ کے برابر رقم جھوک آیا ہے یہ سب خریدنے میں۔ اتنا تو عقل مند ہے نامنجار۔" تحمل سے بولتے بولتے دادا کو جوش آیا اور بات مکمل کرتے ہی چھڑی مومن کے گھٹنے پر دے ماری۔ وہ ڈھیلا ہو کر بیٹھا تھا۔ لگا چار سو چالیس وولٹ کا کرنٹ سارے جسم میں سرایت کر گیا ہے۔ سیدھا ہو کر گھٹنے کو سہلاتے ہوئے وہ جھنجلاتے ہوئے بولا۔

"کیا دادا! کبھی محلے میں ہم نے کچھ نہیں بھیجا۔ اللہ بخشے جب تک امی زندہ تھیں، ہر دوسرے دن کچھ نہ کچھ بنا کے بھجواتی تھیں دائیں بائیں اور بدلے میں ہمیں بھی آجاتا تھا تو منہ کا ذائقہ بدل جاتا تھا۔ لیکن امی کے بعد تو آپ نے عید، شبرات پر بھی کبھی محلے میں کچھ نہیں بھجوایا۔ اس لیے یہ سب لایا یوں کہ اسے تقسیم کریں۔ تقسیم کرنے سے رزق بڑھتا ہے۔ کم نہیں ہوتا دادا۔"

"تیری تقریر اگر ختم ہو گئی ہو تو اٹھ اور اندر کچن سے پلیٹیں پکڑ کر لا۔ دادا ہوں میں تیرا۔ میری امی نہ بن۔ سمجھا۔ چل اب اٹھ۔ اس سے پہلے کہ میرا ارادہ بدل جائے۔"

مومن فٹافٹ اٹھا اور جھٹ سے کچن سے پانچ سات پلیٹیں پکڑ لایا۔ دادا پلیٹوں کی تعداد دیکھ کر ایک بار پھر جز بز ہو گئے۔ داڑھی کھجاتے ہوئے بولے۔

"کیا محلے کے قبرستان میں بھی بھجوانی ہے مٹھائی؟"

"کیوں۔ کیا دادی نے رس گلوں کا کھلوایا ہے؟ میں تو کہتا ہوں کہ ایک پھلوں کا ٹوکرا اور ایک مٹھائی کا ڈبا، دادی کی قبر پر رکھ آتا ہوں۔ اوپر آپ کے نام کی چٹ لگا کر آؤں گا۔ تاکہ دادی شکریہ ادا کرنے گھر تک تو آسکیں۔"

وہ بھی ان کا پوتا تھا۔

سے اسے دیکھا اور پلیٹیں اس کے ہاتھ
تپائی پر رکھیں۔ ان میں پھل اور مٹھائی
خود کلامی کے انداز میں بولے۔
"ہمم...... یہ ایک پلیٹ تو ہو گئی
کی۔ لیکن اس کے دادا کو شوگر ہے۔
پھڑک جائے گا۔ نہ جی نا مفت میں
میرے خلاف کٹ جانی اور بڑا بھائی
گھی کا کنستر بن چکے ہیں پھول کر۔ ات
بن کر لگنی ہے۔ باقی رہ گیا شاویز۔ تو ا
ہے، جب بھی یہاں آتا ہے، ندیدوں
سامنے رکھو، کھا پی جاتا ہے۔ ایسے
ڈلیاں رکھ دوں گا۔"
لو جی ایک پلیٹ تو خالی ہو کر سا
مومن اچنبھے سے انہیں دیکھے جا رہا تھا۔
"یہ دائیں طرف کی عطیہ بہن
دیتے ہیں۔" انہوں نے اگلی پلیٹ پکڑ
تو مومن کچھ ریلیکس ہوا۔
"ارے...... یاد آیا۔ نہ جی۔
عطیہ خاتون کا تو تیری دادی سے بڑا
رہتا تھا۔ تیری دادی کے مرنے سے چا
دیوار پر چڑھ کر لڑی تھی یہ۔ اور جواب
نے اگال دان کھینچ مارا تھا۔ وہ اس عو
تک واپس نہیں کیا۔ اس کی بھی پلیٹ
رکھا سے۔"
مومن نے بے بس ہو کر اگلی پلیٹ
رکھ دی تھی اور کمر کرسی سے ٹیک کر دا
دیکھنے لگا۔
"یہ جو ذوالفقار صاحب ہیں نا۔
تو رہنے ہی دے۔ یا تو پلیٹ واپس نہیں
جاتے ہیں مزید مانگنے اور سامنے والے
نابھیجیو۔ یاد نہیں پچھلے جمعے بریا
کے گھر سے۔ مجال ہے ایک بوٹی بھی نکلی

پیسے بوٹیاں ان کے پیٹ پر گھرے گھرے ہی ہڑپ لی تھیں۔اب چپ رہنے میں ہی. بھلا تھا، دادا کو بتاتا تو انہوں نے انتقاماً اسی کو چک مار لینا تھا۔

''اب رہ گئے تیری دادی کے پچھلے۔ تو یہ جو نرم نرم سے کیلے ہیں نا وہ چن کر اٹھا اور اس پلیٹ میں رکھ۔ تیری دادی کے بھائی کے منہ میں دانت نہیں، وہ آرام سے کھالے گا۔ سخت پھل بھیجا تو تالو اتر کر ہاتھ میں آجائے گا غریب کے۔ نا جانے نیا تالو کتنے میں لگے گا پھر۔'' دادا نے ناک میں انگلی پھیرتے ہوئے پرسوچ انداز میں کہا۔ مومن چڑ کر کھڑا ہوا اور غصے میں بولا۔

''دادا۔ آپ ایسا کریں کہ یہ سب اٹھا کر کچن میں ہی رکھ لیں۔ آپ سمجھیے گا کہ ''ہم'' نے ''ہمیں'' ہی بھیجا ہے۔ پورا مہینہ کھائیں گے۔ بس۔ اب خوش۔''

''یہ کی نا تم نے پیار محبت والی بات۔ شاباش میرا ہونہار پوتا۔ چل میرا شیر۔ اب اٹھا میرے ساتھ سب کچھ اور کچن میں لے کر چل۔ چل۔''

دادا جوش سے کھڑے ہو گئے تھے۔ لیکن مومن اپنی بات کا الٹا اثر دیکھ کر غصے میں ''واک ان'' کر گیا۔ یعنی باہر سے اندر کمرے میں چلا گیا۔ دادا نے اسے جاتا دیکھ کر ہاتھ جھٹکا اور اکیلے ہی بڑے موڈ میں سارا پھل اور مٹھائی اٹھا اٹھا کر کچن میں رکھنے لگے کیونکہ دادا چمڑی جائے پر دمڑی نہ جائے کے مقولے پر چلنے والے باعمل انسان تھے اور یہ بات مومن تراب سے بڑھ کر کون جانتا تھا۔

☆☆☆

''پلیز زرش میں آج کچھ نہیں کھاؤں گی۔ ہاں ہو سکے تو ایک کپ کافی کا مزید مل جائے تو شاید سر کے درد میں افاقہ ہو۔''

وہ تیزی سے کام نمٹا رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں اس کی شفٹ آف ہونے والی تھی۔ اس کی ساتھی ورکر زرش اس کے اور اپنے برگر لیے پنچ کی جانب چلی آئی۔ ماحور کو بھی وہ یہیں کھینچ لائی۔ وہ جانتی تھی کہ

اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہوا تھا اور یہ سچ بھی تھا۔ صرف ایک کپ کافی پی تھی اور سر تھا کہ درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ تمام اسٹاف کو لنچ اور ڈنر ملتا تھا۔ وہ بھی کبھار کھا لیتی اور اکثر چپکے سے ریپ کر کے گھر لے جاتی۔ ایک ایک نوالے کی برگر کی عیاشی اس کے بہن بھائیوں کو بہت پسند تھی۔

زرش نے اسے تاسف سے دیکھا اور ڈپٹ کو بولی۔

''عقل کو ہاتھ مارو ماحور۔ خالی پیٹ کافی پی پی کر آنتوں میں زخم ہو جائیں گے۔ آدھا ہی کھا لو۔ اس کے بعد میں تمہیں کافی لا دیتی ہوں۔''

''ہونہہ۔ یہاں رگ رگ زخمی ہے، تمہیں آنتوں کی پڑی ہے۔ اتنی ہمدردی نہ کیا کرو مجھ سے۔ مجھے بھالے کی طرح لگتی ہے۔'' ماحور آنکھیں مسلتے ہوئے بے رحم لہجے میں بولی۔

''ماحور! ہم پر تب تک کوئی ترس نہیں کھاتا جب تک کہ ہماری ذات سے خود ترسی یا خود اذیتی جیسے جذبات عیاں نہ ہونے لگیں۔ اگر چاہتی ہو کہ تم سے کوئی ہمدردی نہ کرے تو خود پر ترس کھانا ختم کرو اور خود کو اذیت دینا بھی، لوگوں کو جیسا نظر آتا ہے وہ ویسا ہی ری ایکٹ کرتے ہیں پاگل۔ لو اب تھوڑا سا کھاؤ۔ اس کے بعد تمہیں مختار صاحب کا آفس ورک بھی دیکھنا ہے۔ میں ذرا ایک منٹ میں آئی۔''

یہ زرش کیا کہہ گئی تھی اس سے۔ کتنے الگ انداز میں آئینہ دکھایا تھا اسے۔ وہ سن سی بیٹھی سوچتی رہ گئی۔ ہاں۔ وہ ہمیشہ خود کو سب سے زیادہ قابل رحم لگی تھی۔ جس طرح کے حالات سے وہ چھوٹی سی عمر سے گزر رہی تھی، ایسا سوچنے میں حق بجانب تھی۔ لیکن کیا ملا تھا آخر اسے اپنے لیے روتے روتے۔ کچھ بھی نہیں۔ ہوتا تو وہی تھا ہمیشہ جو اس کے گمانوں سے پرے منہ چھپائے بیٹھا ہوتا تو کیوں وہ اس خول میں بند ہے؟

اس نے ایک ٹھنڈی اور افسردہ سانس بھر کر اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑا اور دل ہی دل میں خود

”ترس کا اندازہ نہیں ہے نا کہ میں کیسی اذیتوں کا دریا پار کر یہاں تک پہنچی ہوں۔ کاش میں اسے اپنی زندگی کے فلیش بیک میں لے جا سکتی۔ تو شاید جو چولا میں نے خود اذیتی کا پہن رکھا ہے اس میں ترس کا ایک پیوند وہ خود اپنے ہاتھ سے لگاتی۔“

اس نے سر جھٹک کر خود کو ماضی کی اڑتی راکھ میں گم ہونے سے روکا اور جلدی سے برگر کو ریپ کر کے بیگ میں ڈالا۔ ٹائم دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ آج اسے سر مختار کو ساری آڈٹ رپورٹ مکمل کر کے دینا تھی۔

اگلے ڈیڑھ گھنٹے تک اسے کمپیوٹر اسکرین سے نظر اٹھانے کی بھی فرصت نہیں ملی۔ دماغی طور پر بہت ڈسٹرب ہونے کے باوجود اس کی انگلیاں کھٹا کھٹ کی بورڈ پر چل رہی تھیں۔ یہاں تک کہ اسے احساس تک نہ ہوا کہ اس کے پیچھے موجود آفس کا دروازہ انتہائی آہستگی سے لاک ہوا تھا اور پھر اگلے چند لمحوں میں اسے اپنی گردن کی پشت پر خفیف سا لمس محسوس ہوا۔ وہ سر سے پاؤں تک لرز کر رہ گئی۔ اس کی خوف سے پھٹی ہوئی آنکھیں اسکرین پر جمی تھیں۔ لمس ذرا گہرا ہوا۔ دباؤ بڑھا تو اس کی تمام حسیات خوف کے اثر سے نکل کر بیدار ہو گئیں۔ وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہو کر مڑی۔ پشت پر کھڑا تیم شحیم وجود اس کی راہ میں مکمل طور پر حائل تھا۔

”آپ......آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟“

بے ساختہ پوچھتے ہوئے اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا دل اندر ہی اندر بیٹھتا چلا جا رہا ہے۔ اس نے خود کو سنبھالنے کے لیے تیزی سے میز کا کونا تھاما۔ مگر آنے والے کا اپنی طرف بڑھتا ہاتھ دیکھ کر اس کی روح فنا ہو گئی۔

☆☆☆

اس نے فائل بند کر کے گھڑی پر ٹائم دیکھا۔ رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ یعنی وہ کافی دیر کام کرتا رہا تھا۔ اس نے انگوٹھوں کی پوروں سے آنکھوں کو

تھا ورنہ ڈھنڈیا پچ جاتی تھی۔ اس کے ا
وال سے چپڑاسی اسے دیکھتا فوراً اندر آ
چہرے پر بے زاری اور اکتاہٹ اس ف
کہ اسے ہنسی آ گئی۔

”لو بھئی۔ اب تم سب کچھ لاک
راستہ ناپو۔ سوری! میری وجہ سے تمہیں ا
کرنا پڑا۔“ اس نے چپڑاسی کو ہمدردی
ہوئے کہا تو وہ بھی مروت نبھاتے ہوئے
”نہیں سر۔ انتظار کیسا۔ ہمارا ا
آپ بس اپنی ٹیبل کے دراز وغیرہ لاک ک
”ہاں وہ میں نے کر دیے ہیں
ہوں۔ تم آفس لاک کرو اور گارڈ کو بتا
چاہو تو میں تمہیں گاڑی پر ڈراپ کر دوں
”ن......نہیں سر۔ آپ کی مہربانی
اندر سے ہوتا ہوا دس منٹ میں گھر پہنچ جا
گلیوں میں گاڑی نہیں جا پائے گی۔“
آفر پر عاجزی سے بولا۔
”چلو ٹھیک ہے پھر۔ کل ملیں
حافظ۔“

وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر تیز تیز ق
چلتا آفس کی عمارت سے باہر نکل آیا۔ با
خنکی کا راج تھا۔ ہلکی ہلکی دھند اترنی شرو
گاڑی کا لاک کھول کر اس میں بیٹھ کر اس
دونوں ہاتھ رگڑے اور اسٹارٹ کر کے ا
نے گاڑی کے شیشے سے اپنے آفس کی
کھڑکی کو دیکھا۔ اس کے آفس کی لائٹ
تھیں۔ وہ تسلی سے وہاں سے روانہ ہو گ
اسپیڈ میں گاڑی نہیں چلا رہا تھا۔ دوسر
وہ مسلسل سیل پر گھر رابطہ کرنے کی کو
تھا۔ جب ہی ایک موڑ کاٹتے ہوئے کوئی
سے اس کی گاڑی کے سامنے آیا اور یک
بریک لگے۔ کوئی لڑکی اس کی گاڑی کے
ایک آدھ فٹ کے فاصلے پر منہ کے بل

جاتا۔ یہ سب اتنی اچانک ہوا تھا کہ اس کی اپنی ریڑھ کی ہڈی میں گودا سرسرا کر رہ گیا تھا۔ ایک پل کو اس کا جی چاہا کہ لڑکی گاڑی سے ہٹ نہیں ہوئی سو چپ کر کے فاسٹ سائڈ سے نکل جائے اور وہ ایسا کرنے ہی والا تھا جب اس نے کسی آدمی کو بھاگ کر اس لڑکی کی طرف آتے دیکھا۔ نیم اندھیرے میں بھی اس آدمی کا جارحانہ انداز اسے صاف محسوس ہوا۔ اب بات بھاگ جانے والی نہیں تھی۔ اسے اس لڑکی کی مدد کرنی ہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ آدمی اس لڑکی تک پہنچتا، وہ ایک جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھولتا باہر نکلا۔ وہ لڑکی سڑک پر اوندھے منہ سجدے کی حالت میں گری ہوئی تھی۔۔ اسے فوری طور پر راہ سوجھی اور وہ سرعت سے اس لڑکی کی طرف بڑھا۔

''ارے تم......تم یہاں کیسے۔؟ کیا ہوا ہے تمہیں؟ اور تمہارا فون کیوں آف جا رہا ہے۔ وہاں گھر پر سب نے پریشان ہو کر مجھے تمہیں ڈھونڈنے کے لیے بھیجا ہے۔ حد ہو گئی ویسے۔'' وہ اتنے اچانک سے بولتا ہوا سامنے آیا کہ پیچھا کرنے والا آدمی جہاں کا تہاں تھم گیا تھا۔ اسے ادراک ہو گیا تھا کہ وہ ضرور لڑکی کا کوئی رشتے دار ہے۔ وہ آدمی دو قدم پیچھے ہوا اور پلٹ کر بھاگنے ہی والا تھا جب وہ اس لڑکی کے پاس سے اٹھ کر تیزی سے غصیلے تاثرات لیے اس آدمی کی طرف بڑھا۔

''اوئے رک۔ کون ہے تو اور کیوں پیچھا کر رہا تھا۔ ٹھہر ذرا، ابھی پولیس بلاتا ہوں۔'' وہ آدمی یوں بھاگا جیسے اسے پاکستان کی پولیس کی ایفیشینسی پر پورا بھروسا ہو۔ اس نے پیچھے سے ایک ہانک مزید لگائی۔

''ابے رک۔ تیری تو......''

جب اسے تسلی ہو گئی کہ وہ آدمی جا چکا ہے تو وہ واپس اس لڑکی کے پاس آیا جو ابھی تک اسی پوزیشن میں گری پڑی تھی۔ اسے کوفت نے گھیرا۔ پہلے ہی اتنا وقت ہو گیا' اوپر سے یہ انجانی مصیبت۔

''اے ہیلو۔ بات سنو۔ اٹھو۔ وہ آدمی چلا گیا ہو تو مجھے بتاؤ میں چھوڑ دیتا ہوں۔ لیکن پلیز ذرا جلدی کرو، میں بہت لیٹ ہو چکا ہوں۔ ہیلو......''

کوئی جنبش نہ پا کر وہ جھنجلا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے کندھے سے پکڑ کر سیدھا کرتا، اس لڑکی میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے ہولے سے اپنا سر سجدے کی حالت سے اٹھایا اور رخ پھیر کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہراس ابھی تک ٹھہرا ہوا تھا۔

''تم......'' لڑکی کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔ وہ جس قدر بھی حیران ہوتا کم تھا۔

☆☆☆

اپنے پیچھے مختار انصاری کا مکروہ۔ چہرہ دیکھ کر وہ پوری جان سے کانپ گئی تھی لیکن بڑی سرعت سے اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، وہ اپنا خوف عیاں نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ ایک مصنوعی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر وہ تھوک نگل کر گلا تر کرتے ہوئے بولی۔

''سر آپ کی تمام فائلز اور ڈیٹا میں نے اپ ڈیٹ کر دیا ہے۔ میرا کام ختم ہو چکا ہے۔ میں اب چلتی ہوں۔''

اس نے کہتے ہوئے سائڈ سے نکلنا چاہا تو مختار انصاری اس کے آگے آ گیا۔ اس نے اچنبھے سے اسے دیکھا تو ایک کمینی سی مسکراہٹ اس پر اچھالتے وہ مزید پھیل کر کھڑا ہوا۔

''سر پلیز۔ راستہ دیجیے۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''پہلے جو راستہ میرے دل تک آتا ہے، اس پر قدم رکھو۔ باقی تمام راستے کھل جائیں گے۔'' وہ چھچھور پن کی انتہا کرتے ہوئے معنی خیزی سے بولا۔ ماحور نے خود کو مکمل خطرے میں گھرا محسوس کیا لیکن ہمت دکھاتے ہوئے بولی۔

''میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ اپنے گھر کے راستے کے علاوہ دیگر راستے دیکھتی پھروں۔ اس کام

ہاہاہا...... ارے تم تو کمزوریوں پہ ہاتھ رکھنا بھی جانتی ہو اور تمہیں پتا ہے کہ میں کمزوریاں ہاتھ میں لینا جانتا ہوں۔ مجھے بڑا مزا آتا ہے۔ ہاہاہاہا۔"

اس کے قہقہے میں درندگی کی لپک تھی۔ ماحور کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اس کی برداشت بس اتنی ہی تھی۔

"سالے۔ بے غیرت۔ تو نے کمزوریاں ہاتھ میں لینے کا ٹھیکا لے رکھا ہے یا ڈیلی ویجز پر ہے۔" زبان کی کڑواہٹ تو اس کے پاس حالات کا واحد تحفہ تھی جو محفوظ تھی "اب شرافت سے آگے سے ہٹ، ورنہ ایسا گھونسا ماروں گی کہ ساری عمر کے لیے۔" آگے جو ماحور نے بولا، اس نے مختار انصاری کو ایک لمحے کے لیے بوکھلا دیا۔ وہ چڑیا سی لڑکی سے ایسی بازاری تڑی کی امید نہیں کر رہا تھا۔

اگلے پل وہ اپنی شیطانی جون میں پلٹ چکا تھا اور ایک ہاتھ ماحور کے کندھے پر رکھ کر دباؤ ڈالا تاکہ وہ اپنے پیچھے پڑی کرسی پر بیٹھ جائے۔ لیکن ماحور نے اس کی کوشش ناکام بناتے ہوئے پورا زور لگا کر ایسا ہونے سے روکا۔ اس صورت میں وہ اس خبیث انسان کے شکنجے میں ہوتی۔ صرف ایک پل لیا اس نے سوچنے میں اور پوری طاقت صرف کر کے اس نے اپنا سر مختار انصاری کے چہرے پر دے مارا۔ سر اس کے ہونٹوں اور ناک پر لگا۔ فوری طور پر خون بہنا شروع ہو گیا۔ دونوں ہاتھ رکھے وہ آنکھیں میچے منہ پکڑے دہرا ہوا تھا اور اسی لمحے کا فائدہ ماحور نے اٹھایا۔ ٹھیک اس کے چہرے کا نشانہ لے کر اس نے اپنا گھٹنا ایک بار اور وہیں دے مارا۔ مختار انصاری کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ ڈکرا کر رہ گیا۔

ماحور نے جلدی سے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ اس کا لاک نہیں کھل رہا تھا۔ بار بار گھمانے پر بھی کوئی فائدہ نہ ہوا تو اس نے سراسیمہ ہو کر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ مگر شاید دروازے کو باہر سے بھی ملی بھگت سے بند کیا گیا تھا۔ اسی اثنا میں

تھا۔ اس نے ایک جست لگائی اسے قا
لیے مگر اس کے حواس چوکس تھے، وہ فور
گئی۔ تقدیر میں اس کا بچنا لکھا تھا اسی۔
ریسٹورنٹ کی پچھلی طرف بنی ایک
تاریک گلی کی طرف کھلنے والے درواز
یہ دروازہ اس نے نوشابہ کو استعمال کر۔
کبھی کبھار گارڈ بھی یہاں سے آتا جا
اس دروازے کی طرف لپکی مگر مختار کے
بیگ کا اسٹریپ آ گیا اور اس نے اسی کو
ماحور کو کھینچا۔ وہ بری طرح لڑکھڑائی۔ قر
جاتی مگر اس نے گھٹنوں کے بل نیم جھکے
کے بالوں کو پکڑ کر خود کو بچایا۔ یہ اتفاق
ہاتھ اپنے بچاؤ کے لیے اس کے بالو
مگر بپھرے سانڈ جیسے مختار انصاری کو وحش
لیے یہ آخری وار تھا۔ اس نے چنگھاڑتے
کو آواز لگائی۔

ماحور کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ یہ چ
اس کی عزت بچا سکتے تھے۔ ایک بار گارڈ آ
اس کا نکلنا محال تھا۔ وہ مختار سے چند فٹ
پر تھی اور اس کے دائیں طرف کمپیوٹر ٹیبل
نے اللہ کا نام لیتے ہوئے پورے حواس
کمپیوٹر ٹیبل کو ایک جانب سے تھاما اور ا
زوردار آواز آئی اور سارا سسٹم، ٹیبل سمیت
اور مختار کے بیچ پڑا منہ چڑا رہا تھا۔

"تیری موت آج میرے ہی ہاتھو
نے مختار کو للکارا ہے، اور مختار تجھے زمین میں
گا۔" وہ گالیاں بکتا پاگل ہو رہا تھا۔ اسے
ضرور لگتا ان سب کے پیچھے سے ماحور تک
اور اسی اثنا میں ماحور پچھلے دروازے کو کھول
اسے پار کر گئی۔ نیم اندھیری گلی میں سر پر
اسے یہ وہم ستا رہا تھا کہ کہیں گارڈ اسے دبو
مگر وہ اس کے پیچھے آیا ضرور لیکن تب تک ا
پر نکل آئی تھی۔ اسے اپنے پیچھے کسی کے

ویرانی دیکھ کر اس کے حواس اب جواب دیتے جا رہے تھے۔اسے فوری طور پر کسی کی مدد کی ضرورت تھی پر یہاں وہ چیختی چلاتی بھی تو بے کار تھا کیونکہ یہ سارا کمرشل ایریا تھا۔بڑی بڑی آفس بلڈنگز اور پلازا تھے جو اس وقت تک بند ہو چکے تھے،رش نہیں تھا۔ گارڈ کا اور اس کا فاصلہ تیزی سے کم ہو رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے مارے بے بسی کے آنسو نکل پڑے تھے۔عین اسی وقت جب اسے لگ رہا تھا کہ وہ اب کسی بھی پل بے دم ہو کر گر پڑے گی اور گارڈ اس پر قابو پالے گا،وہ کسی چلتی گاڑی کے سامنے آ کر سڑک پر گر گئی تھی۔گاڑی نے اسے ہٹ نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی وہ سڑک پر یوں سر رکھے پڑی تھی جیسے ٹکرا کے گری ہو۔کچھ ہی لمحوں میں اس نے گاڑی سے نکل کر کسی کو اپنے قریب کھڑے یہ کہتے سنا۔

''آج تمہاری خیر نہیں۔کہاں تھیں تم اور یہ کیا ہوا ہے تمہیں؟ تمہارا فون کیوں آف جا رہا ہے۔ وہاں گھر پر سب نے پریشان ہو کر مجھے تمہیں ڈھونڈنے کے لیے بھیجا ہے۔حد ہو گئی ویسے۔''

سجدہ ریزی کی حالت میں ہی اس نے ڈیلے گھما گھما کر اپنے پاس سے آتی اس آواز کو پہچاننے کی کوشش کی کیونکہ اسے لگا کہ گاڑی والا شاید کسی اور سے مخاطب ہے۔مگر وہ اس کے قریب آ کر پہلے پیروں کے بل بیٹھا تھا پھر اٹھا اور گارڈ کی طرف پلٹا۔ اس سے باز پرس کی آواز ماحور کے کانوں میں پڑی۔ اس نے گارڈ کو واپس بھاگتے ہوئے سنا تو تشکر کا طویل سانس اس کے سینے سے خارج ہوا۔آج جتنی بڑی آفت سے وہ بچ نکلی تھی،اس کا جی چاہ رہا تھا کہ یونہی سجدے کی حالت میں پڑی رہے۔یہ گاڑی والا فرشتہ بن کے آیا تھا اس کے لیے۔اور اب وہ محتاط قدموں سے چلتا ہوا واپس اس کے پاس آ کر کھڑا ہوا اور گلا کھنکارتے ہوئے بولا۔

''اے۔ہیلو۔!بات سنو۔اٹھو اوپر۔وہ آدمی چلا گیا ہے۔اب تم بھی گھر جاؤ۔اگر کہیں آس پاس ذرا جلدی کرو،میں بہت لیٹ ہو چکا ہوں۔ ہیلو......!''

ماحور کے دل میں تشکر کے جذبات ٹھاٹھیں مارتے باہر آنے کو بے تاب تھے۔وہ نہایت عاجزی و انکساری سے سڑک سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے محسن کی طرف چہرہ موڑا۔اگلا پل ''محسن'' اور خود اس کو حیرت آمیز جھٹکے سے دوچار کر گیا تھا۔

''تم......'' وہ چیخا۔

''اور یہاں بھی تم۔'' جواباً وہ بھی اسی کے انداز میں چلا کر بولی۔

''مجھے تمہارے پاگل ہونے پر شبہ تھا،آج یقین ہو گیا۔کیا کرتی پھر رہی ہو تم آدھی رات کو گھر سے باہر۔شرم آتی ہے؟'' مومن تراب کمر پر دونوں ہاتھ ٹکا کر اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''ہاں۔جب کبھی آ جاتی ہے تو اسے عزت سے صوفے پر بٹھاتی ہوں،ٹی وی لگا کر دیتی ہوں اور خود بنا شرم کے گھر سے کام پر نکل آتی ہوں۔ سمجھے!۔کہ اور کچھ۔بولو تو اگلی بار جب آئے تو تمہارا ایڈریس دے دوں،ذرا تم بھی پہلی اور آخری بار درشن کر لو۔''

وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے،اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتی سرد لہجے میں بولی تو ایک لمحے کو وہ چپ سا ہو گیا۔مگر اگلے ہی پل وہ واپس جون میں تھا۔

''زیادہ چڑ چڑ نہ کرو۔باتیں بنانی تمہیں کتنی آتی ہیں،یہ میں انٹرویو والے دن ہی اندازہ کر چکا تھا۔اب شرافت سے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ اور یہاں کیسے پہنچیں۔''

ماحور نے تاسف زدہ سانس بھر کر اسے مختصراً ساری بات بتا دی۔وہ افسوس سے اس کا تکان سے اٹا چہرہ دیکھ کر نظر چرا گیا۔ایک ہاتھ پاکٹ میں ڈال کر چابی ٹٹولی اور اسے ڈپٹ کے بولا۔

''رات بہت ہو چکی ہے ماحور بی بی۔باقی کی بات گاڑی میں بیٹھ کر بھی ہو سکتی ہے،یہ نہ ہو کہ وا

ایک سے نہیں لڑ سکتا، چار سے کیا بھڑوں گا۔ مجھے پٹنے کا شوق نہیں۔ چلو بیٹھو اب۔''

ماحور نے حیرت سے اس اونچے چوڑے مرد کو دیکھا جس کے بازوؤں کے مسلز اس کی کسرت کا پتا دیتے تھے۔ چوڑی چھاتی اور کاندھوں کے ابھار اس کی جسمانی طاقت کا احساس دلاتے تھے۔ اور وہ کہہ رہا تھا کہ بے چارہ ایک سے بھی نہیں لڑ سکتا۔ چچ......

''اب چلو بھی کہ یہیں مرنے کی وصیت کر رکھی ہے۔'' وہ دوبارہ تیکھے لہجے میں بولا تو ماحور چونکتے ہوئے فوراً گاڑی کی طرف بڑھی۔ اس پاگل کا کیا بھروسا تھا۔ منہ پھٹ سا آدمی تھا۔ میٹر گھوم جاتا تو یہیں چھوڑ جاتا اور موقع کی نزاکت کا خیال کرتے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا ساتھ جانے پر مجبور تھی۔ اس سے ایڈریس پوچھنے کے بعد گاڑی اسٹارٹ کر کے اس نے فل اسپیڈ پر چھوڑ دی تھی۔ ماحور کو صاف لگا کہ بس یہاں سے نکلنے کی جلدی ہے۔

''ہونہہ! بزدل کمینہ۔ شکل ٹام کروز جیسی اور حرکتیں شکتی کپور والی۔ چھچھورا!'' پر سکون ہوتے ہی وہ حسب عادت دل میں بھڑاس نکالنے کا کام شروع کر چکی تھی۔ گاڑی اس ایریے سے کچھ دور نکل آئی تو پرانا غصہ بھی عود کر آیا۔ ایک تفصیلی نگاہ ساتھ بیٹھے مومن پر اور اس کے حلیے پر ڈالنے کے بعد گاڑی کا اندر سے جائزہ لیا۔ حسرت آمیز سانس خارج کرنے کے بعد اس نے باقاعدہ اسے کینہ توز نظروں سے گھور کر کہا۔

''ہم......تو تمہاری تو بڑی موجیں ہو گئیں اس نوکری سے۔ دو ماہ کے اندر اندر گاڑی بھی لے لی۔ ویسے چالاک تم غضب کے نکلے۔ سب کو ناک آؤٹ کروا کے آج خود مزے کر رہے ہو۔ اگر تم نے اس دن چالاکی نہ دکھائی ہوتی نا، تو تمہاری جگہ میں ہوتی اور اس گاڑی کو بھی میں چلا رہی ہوتی۔ ویسے میں ریڈ میں لیتی۔'' وہ بے نیازی سے گردن اکڑا کر اپنی پسند ایسے بتا رہی تھی جیسے شوروم اس کے اباجی کا ذاتی ہو۔ مومن نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا، انداز

دال'' لیکن پتا نہیں کیوں چپ رہ تم
یوں ہی خاموشی سے سرک گئے پھر ا
انگلیاں بجاتے ہوئے بولا۔
''تم کچھ بھی کہو۔ یہ جاب میری ق
سو مجھے مل گئی۔ ہاں۔ جہاں تک اس گا
ہے تو چلو تمہیں سچ بتا کر تمہارا'' کلیجہ
ہوں کہ یہ میری نہیں ہے نہ ہی میری تنخوا
ایک ڈیڑھ ماہ میں ہی میں ایسی لگژر
سکوں۔ یہ سر سالک کی ہے۔ آج آفس
بچپن کا دوست ان سے ملنے آیا تھا اور ا
زبردستی لنچ کے لیے لے گیا۔ سر کو پتا تھ
آفس نہیں آسکیں گے لہٰذا جاتے ہوئے
کی چابی دے گئے کہ ممکن ہوا تو ان کے گھ
دوں ورنہ اپنے گھر لے جاؤں کیونکہ ان
بھی چھٹی پر ہے اور کل صبح آفس لے آ
تمہیں ہماری تیسری ملاقات میں اتنا اندا
چکا ہو گا کہ میں فطرتاً ایسا نہیں کہ ایویں بیبا
پھروں، اس لیے گاڑی گھر لے کے جا رہا
اتنی سی اسٹوری تھی۔ لیکن وہ کیا ہے نا کہ ج

ہر وقت غصہ چڑتی ہو، وہ گھاس ذرا کم ہی چرتی ہے۔ کیوں! ٹھیک کہا نا میں نے؟" اتنی تفصیل سے بتا نے کی تک تو نہیں تھی مگر نہ جانے کیوں اپنی طبیعت کے برخلاف خاصی تشفی کرائی تھی اس نے ماحور کی۔ جواباً وہ خفت زدہ ہو کر منہ پھیر گئی۔

"کیا سوچتا ہو گا کہ میں اتنی حاسد ہوں۔ کہ ایک جاب ہاتھ سے کیا نکل گئی، برداشت ہی نہیں کر پا رہی۔" وہ دل ہی دل میں خود کو لتاڑتی بات بدلنے کے لیے موضوع سوچنے لگی۔ مگر اس سے پہلے ہی مومن نے اس سے پوچھا۔

"تمہیں ایسی بھی کیا مجبوری ہے جو تم اتنی لیٹ نائٹ جاب کرتی ہو۔ کیا تمہارے فادر تمہیں اجازت دے دیتے ہیں؟" وہ اس کی دکھتی رگ چھیڑ گیا۔ ماحور کے چہرے کا رنگ تیزی سے تبدیل ہوا۔ اس کے ابرو بھنچ گئے۔ اذیت سے آنکھیں نم سی ہو گئیں۔

"میرے فادر کو اس بات کا ہوش ہی نہیں ہوتا کہ ان کی جوان بیٹی گھر چلانے کے لیے کہاں کہاں دھکے کھاتی ہے۔ اگر وہ اس قابل ہوتے تو میں آج کسی اجنبی کو اپنے لیٹ نائٹ گھر سے باہر رہنے کے لیے جواز نہ دے رہی ہوتی۔"

مومن اس کا جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے تو ویسے ہی ایک بات پوچھی تھی۔ مگر اسے کیا پتا تھا کہ انجانے میں وہ اس کی کمزوری پر ہاتھ رکھ رہا ہے۔ اس نے فوراً اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی کوشش کی مگر ماحور نے اس کا ارادہ بھانپ کر اسے ٹوک دیا۔

"آپ شرمندہ نہ ہوں مسٹر مومن! کوئی بھی شخص مجھے اس حال میں پائے گا، جس میں آج آپ نے مجھے بچایا تو وہ دل میں میرے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ضرور ہو گا۔ خیر۔ آپ کو بتاتی چلوں کہ میں اپنے گھر کی واحد کفیل ہوں۔ مجھ سے چھوٹے تین بھائی اور ایک بہن ہے جو سب ابھی پڑھتے ہیں۔ میرے بھائی چھوٹی موٹی ٹیوشنز لے کر یا گروسری سٹورز پر ایز اے سیلز مین جاب کر کے اپنا جیب خرچ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر انفیکٹ گھر کا سارا سیٹ اپ میری جاب کے آسرے پر چلتا ہے۔ اگر مجھے یہ جاب مل جاتی۔" اس کا اشارہ مومن کی جاب کی طرف تھا۔ "تو مجھے ادھر ادھر خوار ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن آپ کی بات بھی درست کہ یہ جاب آپ کی قسمت میں تھی۔" وہ سر جھکائے اپنا بیگ ٹٹولتے ہوئے یوں بات کر رہی تھی جیسے اسے کسی اور کی داستان امیر حمزہ سنا رہی ہو۔ بیگ سے گھر کی چابیاں برآمد کر کے اس نے سر اٹھایا اور مومن کو سرسری سا مسکرا کر دیکھا۔

"بس، بس یہیں سے لیفٹ لے لیں پلیز۔ اس سے آگے راؤنڈ اباؤٹ ہے، وہیں اتار دیں۔ میں پیدل گھر چلی جاؤں گی، واکنگ ڈسٹنس پر ہے۔" اس نے محتاط انداز میں اپنے گھر کا آدھا ادھورا پتا سمجھایا۔ مومن نے بھی اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ گھر کے گیٹ تک اسے اتارتا۔ راؤنڈ اباؤٹ پر پہنچ کر ماحور نے گاڑی رکوا دی تھی، اترنے سے پہلے پلٹ کر خوش دلی سے اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے نوکری کی مبارک باد بھی دی۔ مومن جواب میں بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ وہ گاڑی سے اتر کر چلی گئی مگر وہ تب تک وہیں کھڑا رہا جب تک آنکھوں کو دکھائی دیتی رہی۔۔ ویسے بھی اس کے اندر ایک عجیب طرح کا احساس کروٹ لے رہا تھا۔ شرمندگی کا، افسوس کا یا پھر کچھ اور۔ وہ اندازہ نہیں کر پایا۔ وہ شاید مزید یہیں کچھ وقت بتا دیتا مگر دادا کی کال نے اس کا ارتکاز توڑ دیا اور اس نے مزید دیر کرنا مناسب نہ سمجھا اور ایک طویل سانس بھر کر گاڑی واپسی کے راستے پر ڈال دی تھی۔ باہر پھیلی رات اسے بوجھل لگی۔ بالکل اپنے دل کی طرح۔"

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)